یل — عبدالقادر نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا۔ اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص سے لڑا۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لئے اس پر غالب آیا۔ اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اس پر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا۔ شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بسبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا۔ چند شعر یہ ہیں —

کہہ دو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے — ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اُس دبنگ سے

پھرتے ہو یار سے ہوئے تم کچھ دبنگ سے — مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے

لب کا اثر دیا ہے مراحط سر سے — ساقی نے پشت دی ہے صراحی کو رنگ سے

دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر — واں ہم بھی جا دھمکتے ہیں دل لگی امنگ سے

آجائیو نہ بیچ میں ظالم کے دیکھنا — یاری تو تم نے کی ہے پر اس شوخ و شنگ سے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا　　موت کی دھار میں بہتا ہوا پیسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھا دیکھا　　کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائر دل کی ہے نشانی اے یار　　ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ یہ الو ہو کر

خانہ بر دوش اُسے کہتے ہیں بلے زلف دوتا　　اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار　　ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلیٰ کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا　　آپ سمجھا دیجئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینانِ جہاں ہیں مالکانِ نقد دل　　انسے بیشک ٹیکس لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن - ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا - یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کنیز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی صحبت سے اس قدر متنفر تھی کہ اُس کی طرف کبھی رُخ بھی نہ کرتی تھی - مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی - اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی - چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا -

دختر رز سے رات صحبت تھی　　شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڑھ میں ہے۔ مگر چونکہ
بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل
عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی
ہوگیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی
اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں
شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ
کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اسوقت یار تخلص
کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں
اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظرافت درج کرتا ہوں۔

جان کو کھیتا ہے کہتا ہے انگور تیرین — لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نکل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن لیلے — میں دبلا پتلا ہوں آن کا تڑا دہا رہے

ا دس کی دو ملی سے وہ مجکو قتل کرتے ہیں — نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھا نیدار کا ڈر ہے
چھ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی چھینکنے سے — مرے حصہ میں بھی ہے ترے حصہ میں کم ہے
لا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا — بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
ٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے — یہ اب سد رہیں اپنے لیے کا سکندر ہے

نواحش سے سرتاپا لبریز ہے۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف　　اے منجم جب فنا فی . . . تو ہو جائیگا
خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی　　اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

تمام شد

غرض کہ ماری ماری سے خوب حاوی ہوئے مقابل ہوتے گئے اس نے اپنے چوبچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے وظیفہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر ادھر سے بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

ہر چند ۔ عبدالکریم نام ہے ماہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں ۔ زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعرا میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں۔

ہم جو کم بخت ہے عیاش صفت منگنی ہے ... ورنہ ... واسطے ہری کو کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نورجہاں بیگم اہلیہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف حسد و بلشاش بذلہ سنج لطیفہ گو تھے ۔ شاہ طہماسپ ماضی کے دربار میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم دیوان ان سے یادگار رہے ۔ مگر نایاب ہے اسی لئے ان کی ظرافت کے پورے پورے نمونے نہیں دئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونۃً درج کیا جاتا ہے ۔ جو اس وجہ سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ لکھا ۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی ... سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا ۔ البتہ ایک مجموعہ لیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی ۔ مگر افسوس ہے کہ

غالب مرحوم خود ایک ظریف اور دریادل آدمی تھے اُن پرانی باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو بازیگاہ بنا دیا۔ مگر۔ قبول خاطر و لطف سخن خدا دادست۔ بیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہدہد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر شیر و نکادادا ہے ۔۔۔ مقابل تیرے کیا ہو تو تو اک جمرہ کی مادہ ہے

گر اب کے بازڑی میدان میں آئی سامنے میرے ۔۔۔ تو دم ہیں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے ۔۔۔ ہوا معلوم یہ اس سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے

او بلے بے ادب اب تک نہیں تجھکو خبر اسکی ۔۔۔ کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہے

جب دو دو چونچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑنچھو ہو گیا۔ اور ہدہد نے پالا جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہدہد کے مقابلہ کو ایک کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہدہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں وہ بھی فقرو ہو گیا اسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جو آیا ہے عدو اب کے بدل کر بھیس کوّے کی ۔۔۔ اسکی ہے پاؤں سے تا سر وہی خو کوّے کی

وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹیں ٹیں اسکی ۔۔۔ بات چھوڑی نہیں بال اک بھی مو کوّے کی

پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہوگا ۔۔۔ پھر جو معلوم کیا ہے یہ بہو کوّے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ

دم کترد ینے کو کچھ کم نہیں لو کوّے کی

اس درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔
راجہ دینی سنگھ جاسانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ
شعر لکھے۔

جہاں میں آج دینی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے	جہاں کا نعل ہے جو تلوے میں تو آپ راجا ہی
سلیماں نے ہی تیرے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی	تو سرداروں کا سردار اور ہمارا خوب رکھا ہے
حکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے	دعا میرا جا کر گنبد گردوں سے یہ جاتا ہی
کسی کو دے رہے تنخواہ تو حقدار ہے اُس کا	مگر ہدہد کو دیدے کیوں کہیں ہر تنگی کھاتا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا
بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے الست سے	انداز ہے اک نیا نکالا اس نے
سردفتر لشکر سلیماں ہے یہ	اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راست آئینوں کو لعنت ہے کج آئینوں سے	تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھ کے ہدہد آیا	غل اٹھا بیتی رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دل لگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر
ایسے بھی رکھ دیتے تھے جس میں معاصروں پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پر
چوٹیں کی جاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے۔ پوری
غزل پڑھ جاتے بہت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے مگر معنی ندارد۔ بعض
شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بلب آب نہیں
ناخن قوس قزح شسپہ مضراب نہیں

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کردوں | تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کردوں
جو آکے زیر کرے میرے آگے موسیقار | تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کردوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر | تو اُسکے نوچ کے پر شکل نیولا کردوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے | فلک کہے ہے مقدر ہیں باجرا کردوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہوگئے۔ اور فوراً طائرالاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگنے کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہو گئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہو گیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بند و بست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کر دی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہہ کسکے آگے روئے | کس سے جا کے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے
مجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار | ہیں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں پو لئے
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئے عمر | کاشکے ہم سیکھتے اس سے بتانے بو لئے
سنگلاخ ایسی زمیں ہے دیکھ ایدل تا کجا | فکر کیجئے صرف آنکھیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز | یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں میں ہوئیے
دیدے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے | ماتا پھرتا ترا ہدہد ہے ٹاپک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہو گئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کرکے نذر گزرانی

کو ساد ئے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں
باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو ڈھول میں پول نکلے۔ بس پھر کیا تھا۔ ان کو
ایک چسکا ہاتھ لگ گیا۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا حساب کو کچھ شعر و شاعری
کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب
ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے لے چلیں۔
انہوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی
دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھترے کا کھرا غزل
کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران
تھی انہیں کچھ اپنا تصرف کرکے بالکل دیوار قہقہہ بنا دی۔ آئے دن مشاعرے
ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد
تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی وضع قطع بھی یعنی ڈکار سوار ڈاڑھی۔
گھٹا ہوا سر۔ آسیر عمامہ۔ بالکل کٹھ کٹ بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو
ظرافت کے ساتھ تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی طرلیا تخلص رکھئے انہوں نے
جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انہوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انہوں
نے منظور فرما لیا۔ انہوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کرکے موصوف
تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ
ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب
تک خوش ہو گئے اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر
نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی
تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ
کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

نمونہ شیر یا خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پائے خشخاش کمن چوں مہر مہداں حباب نقاش

بیاباں وقت گل دروازہ دارد کلید بوریا آوانده دارد

نہ تنہا دوستی در کاہداں است کہ ایں تاداں حباب عاشقاں است

ہُدہُد ان کا نام عبدالرحمٰن تھا - اور پورب وطن - مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آ کر رہے - اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا - کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے - پڑھاتے رہے - مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے - اتفاق وقت سمجھیے یا شامت اعمال کہیے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے - ادھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں ان معانی اور مطالب کی بھنک پڑ گئی جو میاں جی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے - حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے - پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا - سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آ گیا - جو مطالب سنا عجیب و غریب - جو معنی کان تک پہونچے انوکھے - اب کیا تھا - سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آ گئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے - یہ کہکر چلے گئے - ادھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ چندہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک جا پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر معقول سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے نقطہ کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو تمام نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے علام آسانی کے ساتھ اس غرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کرلی کہ اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کرلیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہملہ کہکر نذر گذرانا۔ تمام خمسہ میں تیس شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق تیس دانت اکھڑوا دیئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے عدد میں وعدہ عطائے یک عباسی فی شعر پورا کردیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامہ مہمل کے تین شعر یہ تھا۔

اگر عاطلی بحیہ برمومران ۔ بحر میمہ از بغل آہو مران

برغم ملک ترکتاری مکن ۔ آہنگ ما ہیچ یاری مکن

کہ نعل از تبسم مربا شود ۔ بعسر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

شناس مردعاے گور مکس ۔ رحمہ در ہر جوال دور مکن

دم بحر طرم رندہ سیل خزان ۔ سائباں رسر خلیل مران

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ
شرف قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے　　زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے　　خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے　　جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے　　نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمہیں باخدا تھے　　بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دہرم آتما تھے　　بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک　　یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک　　یہ مینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام
بھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

میں شائع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں
آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی
کے ساتھ ان کو پڑھا۔

چونکہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا
شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں
میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر
میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ
رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا
یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — کہ ہستم اسیر کمسلہ ہوا
مرا کر کرا ہو گیا دست جرس — ندارم عبیر ار تو فریاد رس
خوش ار چانڈو بازی دگر کار نیست — دریں گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چوں مس قلب را کیمیاست — کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے احتیاط — شود خلق دنیا ترا دوستکا

یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — ہمہ شاخ پر میوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی ہو گیا معرفہ دوست — تواضع زگردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم مسلسل — بہ بند سور از شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگا دو یہ دم — کہ تا گہ شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پئے ہے وہی آدمی — رسید از مردم بکر مردمی
میاں ہجر پیکے بن آٹھوں پہر — شغلت سر عمر دردے بسر

ہجر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک۔ قومی نفاق کے موقع پر ایک صاحب

اب نہ وہ روداد ہے اور نہ غزل ہی یاد ہے — رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر وائے داغ
غم سے جو آپ پیش آئے سال وفات کیا سنائے — کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے امیر وائے داغ

داغ صاحب مرگئے شرم حضوری رہ گئی — کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی
میرے دل سے لپٹے ہیں صدمے ہیں کیا جانئے — مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا — میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھسے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات — سال تاریخ مسیحی سے جو دوری رہ گئی
پر کتر کے لے گئے داغ اور از روئے قلق — شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرو تخلص صابر تھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیا میں پیدا ہوئے - مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی - علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف - اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا - بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی - مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا اُسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے - آخرکار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا -

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے - ایک سال تک مختلف بحثوں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

یا دآیا۔ عمر بھر میں صرف ایک بار رو دیا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں بلکہ شادی
میں۔ کمسن ہی سا تھا۔ ملنے سے یہ خیال پرائے گا سا تھا۔ ماں اور لوگوں
نے سمجھایا تھا۔ الحمدللہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا۔ یا اس مرتبہ حضرت داغ
کے مرنے کا قلق ہوا۔ لوگوں کی سراسری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں۔ ہاں
اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں
میرا شمار ہے۔ لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے اور پڑھتے
ہوئے جھجکتا ہوں۔ اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے
دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری بیٹھ خیال کے
غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گا بجا کے سوز و ساز کے لطف
چٹخارے چھانٹ کے مزے لوٹتی ہے۔ پس بندہ بھی تو شاعری کو سلام کرکے نوحہ
یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے۔ اور
اگر روتے رہے تو بقول شخصے ع دل گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے

روتا ہوں کبھی روتا ہوں

دیکھئے داغ امیر و داغ علی میر و داغ
دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر ہائے داغ

کس کو غزل سنائیے داد کہاں سے لیجئے
روئیے اور رولائیے ہائے امیر ہائے داغ

کرتی تھیں سیر بلبلیں جو کہ سخن میں اک نہیں
غل ہے کہ ہائے یاسمیں ہائے امیر ہائے داغ

کام ہے اپنے کام سے ورد عرض سلام ہے
کہتے کوئی نظام سے ہائے امیر ہائے داغ

وہ جو ہمیں ستائیں گے ہم بھی کہیں گے جیتے جی
مرکے تو نام پائیں گے ہائے امیر ہائے داغ

ہے مجھے ملال ہے آہ ظالم کمال ہے
غم ہے بُرا یہ حال ہے ہائے امیر ہائے داغ

لکھ مرض بتالا دوا ہی تھا تو وہی ہوا
دابا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر ہائے داغ

دے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا۔ جس کسی کو خبر ہوئی۔ سب ضروری کام چھوڑ بیٹھے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی۔ ادنیٰ اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب بے تعداد ہیں یا بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے اے واے تخلص پسند کیا ہے۔ تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور ادوھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو۔ مگر مجھکو صرف یہی ملا۔ جو معہ نثر نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۱۰۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان ہندی کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زباں پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بلحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونے کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا | مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاؤنگی چھٹ
رضا گر مجھکو دیتے ہی کوئی گھر میں جا دارد | اگر مجھ پر دینگی درست میں پھر آؤنگی چھٹ

ہاسے واسے۔ تخلص تو عجیب کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت خدا معلوم اوڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں نظر قطعہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے — ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں
انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے — کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کھکر یاد کرتے ہیں
یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُن سے — ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

وصل کی شب میرا آ گیا پر اگر ہو دسترس   میں یہ سمجھوں آ گئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف رفیق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ نامہ حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان نئے تعلیم یافتوں کا دو ٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی طریقہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں   نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں   صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھاٹ اپنا اس طرح گھر سے نکلتے ہیں   یہیں تک کاٹتے ہیں ڈاڑھی بھی برباد کرتے ہیں
چڑھے تسمہ میں تو سر پر ٹرکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر   چڑھا کر آنکھوں پہ عینک نظر برباد کرتے ہیں
اگر رستہ میں ملتا ہے اگلی وضع کا کوئی   تو ہنس کر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں
کمر پہ ہاتھ رکھ کر جس کمیٹی میں کھڑے ہونگے   پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہمسایہ قومیں تم بھی اب جاگو   فصاحت کے ملا کر پیچ یہی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں   تو پھر جلسے میں بیٹھے لوگوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انہیں کوئی   برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھیں سارے   کہ شاعر ہی رہیں شعر کو آباد کرتے ہیں
حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں   اگر آداب کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن   بھلا کیونکر غزلوں سے یہ دل کو شاد کرتے ہیں
یہ ہجو جب تک بیچاری کا شایہ کہا کھا نہیں سکتے   اگرچہ ہجو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

حواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل | مرے گھر نئی پھلپھڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے | یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں | وجاہت ہی کی جھوپڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہِ ناز سے | لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہم نے کوے دلربا کے سامنے | تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعرا میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور اُن سے بات میلے میں | میں کہتا تھا نہیں ہل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کف پا کا مجھے دیدو | لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کف پا کا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین ماول لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضاے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا ٹک جو آغوش میں میں تو بولا | اسے چھوڑ کب تک مسلتا رہیگا
ہاتھ میں ہاتھ لے غیروں کا پڑے پھرتے ہو | ہم جو دامن چھوئیں تو آپ جھٹکنے جائیں

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تنگ ——— قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر ہوتا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں ——— عشق میں باجگیر حالی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت ——— پرچہ کوئی نکلے تو وہاں مخبر آ کے

جانا ہر اس دم کا یہی جاں نثار ——— ساتھ رام کے یہ رانی جائیگی

صدر اس کے رخ صاف پر نقاش ہے ——— جو قیمتی ہے وہ صدر ان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی حوروں سے ہماری ——— سنتے ہیں وہاں کا تو مزاج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک خدا میں جو ابتری ہوگی ——— رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور کا ہو نچوڑ ——— پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم تو پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں ——— دو حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر نہیں سستا ——— ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
لکھا ڈاک کا نیگا قیس کو آکر لی ——— ساتھ لیلیٰ کا نام تیرا ہے
دیکھی رفتار احمق ایام ——— چاق چوبند یہ گھیرا ہے

جنت سے آئے حضرت آدم زمین پہ — نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا — دولھا کے منھ پہ لگتی ہے آکر دلہن کی شاخ

رندو چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج — نیلام ہو گا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے — ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس سے کیا حاصل — اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے — جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے — دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے مے آشاموں کی صحبت بھی — ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج — کہ باندھے پُر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل — وہ اسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر — اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھولکر کبھی — میں اُن کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ — تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کبھی مے کی مذمت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے مؤذن بھی اذاں — آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو

نئی روشنی کے نئے گیت گائے | بہت تم نے بڑھ بڑھ کے شیخی بگھاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر | بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم | تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاندماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں | جھلکتی نہیں پاس تک سرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت | پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہنکر | کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا | نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی | بیاہی مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں | نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا | بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا | حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی | کہ ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری
نہیں ملک میں اعتبار اپنا کچھ بھی | حکومت سے پھبتی ہیں باتیں ساری
مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو | ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا | کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گرے اسمیں عشاق کے دل بہت | ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میر ساماں ہیں میکدے کے شیخ | ان کے گھر کی دکان ہے گویا
خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں | یہ حسینوں کی کان ہے گویا

تو اک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے | یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام — معتکف یا قطب ربانی ہوں میں
آ گیا ماوے کے پھیر میں — حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں
نفس امارہ کا دشمن بن گیا — یہ خود رسی ہے تو مانا پانی ہوں میں
کیوں نہ درد قوم کا دورہ اٹھے — غمگسار نوع انسانی ہوں میں
ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار — افترا و مکر کا بانی ہوں میں
یہ مری ریش مقدس واہ واہ — حضرت ابلیس کا ثانی ہوں میں
کام آتا ہے اس ٹٹی کی آڑ — اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں
اے وجاہت ہے یہ میرا اصل آل — سچ یہ ہے ننگ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یورپین مس کی نوک جھونک

کہا جو لیڈی نے یہ مدر النسا سے — کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
یا کوئی انداز تم میں نہیں ہے — پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں — خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا — لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی مد محرم — کھلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑائی میں لڑ کر ہو ہشیار یوں ہی — چلاتی ہو سینہ پہ چھری کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینہ — نئی روشنی میں چلن ہے گنواری
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید — تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں — یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے — پڑے بھاڑ چولھے میں یہ وضعداری
کہا سن کے بی بی نے یہ میم صاحب — بس اب چپ ہو آئی بڑی میری ماری

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرہ نہیں مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر
یہ زہد خشک آب وضو سے ہوا نہ تر

سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی
چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی

ہوٹل میں جا کے سیر کریں کافی شاپ کی
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں
میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں

دلدار و دلستان و دلارام و دلنشیں
نو خیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سے پریوں کا واسطا
اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا

اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا
رک جائے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام
افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام

پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام
اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں
پیرو دین مسلمانی ہوں میں

دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی
صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

اس با درد دلچسپی ہے۔ میں آپ کی قدیم غزلوں سے ہی طریقہ سوچ کر پیش کرتا ہوں اور ان اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم و ہاہت میں لکھے ہیں۔ نمونہ کلام

واعظ اور سر سیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الہ آبادی

شہرہ جب ان کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دلس سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا پڑھتے پڑھتے بڑھا ایسا حوصلہ — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا

جو خیال ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو منکر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے پھر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے لوڑ ماں سے دن کو تو قوم قوم — سوتا ہے جب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم

کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہاں سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل عجب مزاج — اُسے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر — کھوئی ہے ایک عمر بیکاری میں بیٹھ کر
ہر سو ہی ہے روشنی اب تو ہے ملتوی گرا — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر

وجود۔ سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقراں تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رکز نے جرف میں حبب جھکایا   بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے ۱۸۹۲ء سے شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز غزل سے متنفر ہوکر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لیاقت سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ یہی رہا۔ سنہ ۱۹۰ کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بہ مقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بہ حیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

گڈ نا گذار ہی ہے چاری جوناک پر | تحریر پڑھ رہی ہے یہ تقدیر ناک میں
مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے | ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں
واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح | دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ لسواں ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرمالیتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسیوجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہوگئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اسپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵-۴۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کرمنل کوڈ سے بہتر کوئی ٹھیکری نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی نڑدے | مستقل ورڈ میں جنکے لئے قاعدہ ہی نہیں
پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سلکٹ | ان بڑھی بی کو بھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی۔ مرزا نے اجازت دی۔ انھوں نے
غزل سنائی۔ مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہہ کر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی
تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور سخن فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے
سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کرلیا۔ شعر یہ تھا۔

عیاشی سیکھنے کے لئے کچھ کما چاہئے ۔۔۔ رنڈی وہ قحبہ ہیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے۔ آخر عمر میں
مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں اسی وجہ سے
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے۔ مگر یہ غلط ہے
انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا۔ اور کسی کے سامنے کبھی زانوے
تلمذ تہ نہیں کیا۔ ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر
کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہوگیا۔ واحی نے کافی عمر پاکر ۱۹۱۲ء میں مقام
دہر پور انتقال کیا۔ آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ
جوانی میں کی تھی۔ نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ
دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں۔

میرا وہی رقیب ہے مرا کہیں جسے ۔۔۔ ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں جسے

آئے طوفان جو دو مت یہ تسلسل ہوتے ۔۔۔ ساری دنیا ہوتی آب اگر کل ہوتے

واحی کے گھر سے یہ صدا صاف آتی ہے ۔۔۔ دہن تنگ نہ ہساک تک شہری کہ تک دہر آگ

دل دکھائیں جو کہیں آپ کے گیسوے دراز ۔۔۔ سانپ دشت سے لگے خوف سے شل ہوتے

غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا ۔۔۔ کیوں نہ حیرت ہو مجھے حسن ہی کا کل ہوتے

ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع الانبیق سے مے ۔۔۔ بادہ پی لیں کے جو واحی نہ تامل ہوتے

قمر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے ۔۔۔ کیا قیامت ہے کہ اس پر نہ تجاہل ہوتے

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور اپنا کلام سنایا۔ اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا۔ تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہو گے سنا و ضرور سناو۔ انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا۔ اور وہی کلام سنایا۔ مرزا نے تخلص سنا۔ تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی۔ تباہی۔ بدلو۔ اس تخلص کو بدلو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے۔ مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے۔ ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے۔ مگر شاید دل سے نہ بدلیں۔ دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہو گا۔ لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہیئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اب واحی تخلص رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے۔ انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے　　آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی۔ سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو۔ انھوں نے پہلے تو انکار کیا۔ کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے۔ مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو۔ گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا۔ کچھ ہو کہو ضرور کہو۔ مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جسمیں ظرافت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

حرف واو

واہی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع
غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات و رشتہ
داری کی وجہ سے خود بھی دہر قریہ تحصیل رسڑہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت
بہت کافی تھی باصلاحیت استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا ابتدائے
سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا واہی
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے کچھ عرصہ تک یہ مشغلہ اسی
تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے
اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل
سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اس کا
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں
دلی کے مشہور و معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ
تھے دنیائے ادب میں ان کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں
کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے
بلکہ اکثر شوقین پہلے انہیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب واہی
صاحب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور ان سے

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں
پرائی بدشگونی کے لیے کٹوا دو ناک اپنی

بڑے دل میں یہ کہکر لیڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں
جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا
عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس رعنا شیریں دہنا کی گفتگو
مجھکو انگریزی مٹھائی ہو گئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب
اپنی بی بی تک پرائی ہو گئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ
وہ ضعیفی میں ملائی ہو گئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا - مشہد کے رہنے والے تھے - غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی - نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوے تھے - مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آ گئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب و غریب بنا دیا تھا - اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے - صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے - مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہو گیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں -

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں
کنند لوح مزارم ز ہر دو دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو تیم
بیکدگر نرسد گر ملب رسد جانم

یہی اچھے بُرے پر حکم انجام دیتا ہے　　اگر کوئی نہیں ہوتا تو کیا کام دیتا ہے

کتابت کو نہ دکر رقیب حسیب کر　　جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جو دیکھے اس کو صورت دوا کی ہے　　شوہر ضعیف آمدہ اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر　　مرغی کڑک ہے مرغ ابھی ہی کریر پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے　　عمر بھر پایہ حسرت کی سواد اداد ہے
عید نوروز ہے کاہو اکی جھو کری شام کو　　مل گئی اچھی پلوری مرغے ہنگام کو

آج دستار فضیلت سد ہو گئی　　سر پر اس طور سے ڈھاٹا لگا گیا

کیونکر ہے گی صبح سے لیلیٰ کی رسم وراہ　　موٹا سا ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کیس ہے

اکبرآباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کرولا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے۔

ہم اُن دو کسی ہے ہر وقت دو عار کا　　پتھر پڑا ہو لوہا ایسی جگہ ہے بھاری
کیا دوستی تمہاری آپس کیا سمائی　　ان کا ست کرولا ہے انکی ست کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں　　بد دق کی صحبت نہیں ہوتی علیل میں
کرتے ہیں غیر جس میں ہوا ہی شادیاں　　وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

یہ ہے —

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں
بولنا ہر شخص سے کم چاہیے

میز کرسی لیمپ سگرٹ کیک توس
گھر میں تصویروں کا البم چاہیے

رنگ گورا اور قامت بھی بلند
جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے

کیسی غفلت اور کیسی کاہلی
فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے

اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا
ایک گھوڑا ایک ٹمٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی
پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی

منچلوں کو وائیوں کی وضع داری چاہیے
بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے

مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے
دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا
پیٹ اس کا اور اس کا پاؤں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی
ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک [illegible] ہوئی

لے بی جو نہ کہتے بنے بی بی کہیے
وائف جو نہ کہتے بنے وائفی کہیے

کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ حرج نہیں
نکٹائی نہ کہتے بنے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج
خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے

غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ
عطر شرما گیا لونڈر سے۔

گفت ار بسکہ کوفت سرِ من | از غم دوت احمدِ مسکین
گفت اے وائے چون گنے احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چون عرب نعرۂ فراق شنید | خاک بر سر فشاند جامہ درید
تا زدان را جمیل خویش گرفت | مدعی مال وگوشت میش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع الہ آباد مولد ومسکن ہے آپ دورِ
موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے
شاگردوں میں نہایت ممتاز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں محاورہ
بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے
بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں
نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے
آپ کے نام کے ساتھ ناطقِ سحر بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں
سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں
اور اگر زبان وسلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جائے
تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زبانداں اور کہنہ مشق شاگرداں داغ کی حق
تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف
واکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفننِ طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے
رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینۂ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب
لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور
آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع
میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن وخوبی سے نباہا ہے نمونۂ کلام

گفت از خیل من خبر داری / بدوی در جواب گفت آری

گفت چون ست احمد آن پسرم / که ز هجرش کباب شد جگرم

گفت از فضل و رحمت یزدان / باغ حسن ست خرم و خندان

گفت چون ست مادر احمد / گفت صد چون برابر احمد

گفت چون ست قصر و ایوانم / کز غمش بر فلاک شد افغانم

گفت آن قصر دلکش و ایوان / داغ رشکیست بر دل کیوان

گفت چون است آن سگ درمن / که بود به ز شیر نر بر من

گفت او خاک آستانه تست / روز و شب پاسبان خانه تست

گفت آن بارکش شتر چون است / کز غمش دامنم چو جیحون است

گفت با وے که فربه است چنان / که مساوی است پشت با کوهان

چون عرب قصه را شنید تمام / با دل جمع کرد میل طعام

خورد خندان که سیر گشت از نان / بدوی را نه داد و بست انبان

بدوی چون گرسنه است او دید / بر خود از درد جوع مے پیچید

ناگهان دید کز کناره دشت / آهوے در رسید و تند گذشت

بدوی چون بدید آهو را / از دل خسته جست آه او را

چون عرب آه دردناک شنود / گفت با وے که آه بهر چه بود

گفت ازین بود کان سگ در تو / گر نمیگشت صدقهٔ سر تو

آهوک را نمی گذاشت کنون / که ازین دشت جان برد بیرون

گفت اے وائے آن سگ چون مرد / گفت از بسکه خون اشتر خورد

گفت خون شتر که ریخت بگو / خاک بر فرق من که بیخت بگو

گفت کشتند اشتر سره ات / که دهند آب آتش همشیره ات

گفت اے وائے زوجه ام چون مرد / رخت هستی حیاش بخاک سپرد

کریما بہ بخشائے پکے کباب — بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بہ بخشائے پکے کٹہل — اسے کھا کے ہو جاؤ گے تم اٹل
کریما بہ بخشائے پکی ہے دال — اسے کھا کے ہو جاوگے کنبہ پال
کریما بہ بخشائے پکی ہے نان — گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بہ بخشائے ڈنڈی ہے ٹانگ — گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بہ بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ — نہ ہی سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بہ بخشائے پھوٹی ہے آنکھ — لے رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بہ بخشائے ٹوٹا ہے سر — کوئی آئے لے جلد میری خبر
کریما بہ بخشائے دھوتی پھٹی — مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

ندارم غیر از تو فریاد رس — مزا آئے چکھے جو گنے کا رس
نگہدار مارا ز راہ خطا — کہ دی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زباں تا بود در دہاں جائے گیر — کھلایا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا — پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا
سوار جہان گیر یکراں براق — کھلا دو مجھے ایک روشن طباق
چہل سال عمر عزیزت گزشت — بری کاہے تری ابتلک سرگزشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی — ہمیشہ نظر تاکتی جہانکتی
مکن تکیہ بر عمر ناپائدار — پہن کوٹ پتلون پھینکا ازار
دلا ہر کہ بنہاد خوانِ کرم — نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو اتار آیا — سر پہ احسان پڑا ہے نائی کا

نکتہ چین۔ سالہا اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ نہیں چلتا ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے " مائی ڈیر مسٹر اودھ پنچ۔ گڈ مارننگ قران شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الا انہم فی کل واد یہیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات شاعرانہ سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سے جیتے جاتے ہیں | جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ دن رات وہ روتے بیٹھے | افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

میرے مری پگڑی چل رہی ہے | زباں وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی | یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی چاک علت میں ٹانکے | اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو | ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریمایہ بخشائے پکا پلاؤ | جو تم نے پڑے تو ہمکو ملاؤ
کریمایہ بخشائے پکے ہیں آم | نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریمایہ بخشائے پکے ہیں بیر | کھلانے میں ان کے کرو تم نہ دیر
کریمایہ بخشائے پکی کھجور | ملاتے ہیں کھانے میں ہمکو ضرور

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر — زیر دامن اب یہ کس کا تحفہ کردار ہے

آباد ہے الّو سے ہر قصبہ ویرانہ — ہر کھونٹھ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل مئے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل آسمیں جو گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شب وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ
جسطرح کمینوں سے رونق ہو مکانونکی — آباد نکیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو — گرد گھمانہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جاے
اب طویلے میں نہیں آپ کے ٹانگن کوئی — آپ کے تھان کا ابتو مرا ٹٹو ہو جاے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جاے
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوک ناز اگر دلمیں ترازو ہو جاے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن حیا کے ساتھ — بے شرم ہے جلیس بڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی تلکہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پانوں ہوا ہی جو آپکا — شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو — اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپکا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو — لگ جائیگی پھپھوندی کہتے ہیں جسکو کائی
دشمن کی آگ ابتو دشمن کو پھونکدے گی — اب ہو گئی اُسکی قطبیہ دیا سلائی
اب تو مزاج دشمن ٹھیلو نہ چل رہا ہے — اُنکے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی سگائی
اُنکے دم قدم کا اغیار میں شرف ہے — چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی
بے شبہ اے نکیلے تحقیق ہے سلف سے — جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں برائی

پیر میخانہ نصیبہ سے اگر تو ہو جائے — بے پیئے پھر تو عدو کا ٹھکا الو ہو جائے
بات تو جب ہے کہ اک چھو میں نفر و ہو جائے — میرے آگے سے عدو نو کہ دم آ ہو ہو جائے
دام تزویر اگر زلف پر یرو ہو جائے — اس بھنور جال میں پھر الو ہی الو ہو جائے

شب وعدہ بہت رویا انیس زخم پنہانی — وفور شوق سے خلوت میں گھٹنوں ہو گیا پانی
چلیدن بے محل برکا ہے اے ابر نیسانی — نہ ہو بطن صدف میں بو تو جیا لعل بدخشانی
عیاں تھیں ہر مسلماں میں کبھی اسلام کی شانیں — مگر ابتو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمانی
بہت مشکل تمھارا آشنائی کا سمجھ لینا — مگر چالاک دشمن اور کسی کا وقت نادانی
کہیں تذکیر کی تعریف میں پھرتا ہے مستانہ — کہیں تانیث کے پردے میں ہے آوارہ مستانی
شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہماں — کبھی سنبوسہ بلبن کبھی ہے کشمش بریانی
نکیلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہے — تو اب پہونچا پکڑنے کیلئے کافی ہے دربانی

بیٹھنے والا عیش منزل کا نئے مسکن میں ہے — خون حسرت گردش ایام سے کشتن میں ہے
پیٹ کی خاطر سپاہی سر بکف پلٹن میں ہے — نان نفقے کے بدولت ہر تکے دامن میں ہے
شہ سواری کا ہنر چابک سواری کا کمال — صرف اک راز خفی ہے جو نہاں آسن میں ہے

سب کہا چکی بات مجھکو بھی کیا کہا ئیگی جا یہو   وہ کونسا دل ہوگا جو مر جائیگی جا پنو

شام گر رنگی یار سے آیا رات بھی آئی دیپ کی ڈہلی   آؤ پردیس کھیلیں تھالی سے بیگار بھلی

رنگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور ہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۹۰۸ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے مقام ... پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور برسوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۴ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو اُن کے احباب نے بکمال اصرار اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ بار بار رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کر لیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار روزگار داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے آورد کم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے

چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے -

یہ چلبلی طبیعت جب پہاڑ سے پہ آئی   پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو جو حق ہوا ہو کہائی

اب ماہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی   قسمت پھری کسی کی شامت کسی کی آئی

جب ایک کا بھی تم سے مطلب نہیں نکلتا   لے لیتے ہو تو پھر کیوں یارب معافی

دل کی خوشی کی خاطر چکھو ڈال مال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ کر کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر
ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بھینا یہ گزرتی نہیں ڈھڈہو
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈہو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈہو
کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈہو

ایسا جو مرے پاس لگے جائیگی چھاپو
اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھاپو

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے
چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے
اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے

کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی مل کے گلابی
اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آ گیا بو سونگھ شتابی
گر جا ندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم انہیں سنتے غیر کے کھٹکے
چھپ چھپ گئے اٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اسنے ڈھیکڑے ہوئے جو اسے
کتنا ہی ٹٹولا جا اجالا ہو تو پا دے

چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا
اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کرکے نچنتا
اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار
اور یار کے گجرے بھی تھے اگ دہون کی تقلد
آنکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دہراں ہا
جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار

روں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانیں حسن نمیں برتیاں ہیں
سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دلمیں بھی سرتیاں ہیں
اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑلے ؛ کونڈی کی ڈھکا ہٹ سوٹے کے سو کھڑاکے
گر دیکھتی ہیں تمکو کچھ عیش کے جھڑاکے ؛ تو جھاڑ ایسے پتے اور سر کو جھڑ جھڑا کے
پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو اک دم میں تیرا گھر گھومے چکر ہالے

کیوں بات اٹھا ہے ڈالے کان میں عیش کا تیل ؛ خلق میں کیا کیا مچی ہے سرپو کی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال پیلے کا پھلیل ؛ پھر چڑھا ہے آسمان عیش پر عشرت کی بیل
کونڈی سوٹے کو بجا اور دیکھ ایک قدرت کا کھیل
چھوڑ سب کاموں کو عاقل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل
مدرسہ ملا ت پڑھائے اے پیر مغ ؛ میری کچھ لگتی نہیں اللہ سے دل کی لگن
سکے بولے وہ بتائیں ہم سمجھے اس کا حق ؛ جا شتاب اور جلد سر پی لیکے اک دھارن
کونڈی سوٹے کو بکا اور دیکھ ایک قدرت کا کھیل
چھوڑ سب کاموں کو عاقل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا ؛ کمبل کو ادھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
چل مل گئے اور دل کا بھی ارماں نکالا ؛ پھر آکے رقیبوں کا کیا جو سا کالا
کیا وصل کی برکھا ہے کہ رات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظم بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں | اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بٹھائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑائی دائیں بائیں | کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا واہ سائیں

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو لڑاکٹ کٹ لڑتی تھیں کے گڑا | جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا اکھاڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اڈا | کرٹی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تینا کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا | اُس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ بھیڑ آکر اُن کشتیوں کا کوڑا | چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری ترچھے ہمنے پھر تسو نکی | کشتی میں گٹھری بندھگئی ان چاروں بلبلوں کی
سن سن کے چیخیں انکی لڑنے میں غرغوں کی | سب لوگ بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

ست ہے ہلکا اور کم انتخاب کرکے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر   آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں دیر
سو آکے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر   جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منہ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی   دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی   کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے پتلے   وہ کون سے گلرو ہیں جو جن سے نہیں لپٹے
اب آکے بڑھاپے میں کئے ایسے ادھوئے   پر جھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں بلبلے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا جیسے الٹ ہائے زمانا   جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دل دل کا بہانا   ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے   دیکھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہوتے ہیں کہ کہاں بیٹھے ہیں بڈھے   آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آئے ہیں بڈھے

کے داؤں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شوقین مزاج گھوم رہے بازار کی رونق کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ بعض بڈھے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے۔

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے۔ مگر یہ ایک صریح ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا۔ وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ سکتے ہیں۔ وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار ہے اُن کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا۔ نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہو گیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے۔ اسکی بندش اتنی ہی چست ہے جتنی ہونا چاہیے۔ اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے۔

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہونچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ و خیالات اُسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے۔ اسکی ظرافت میں تصنع اور آورد کا نام تک نہیں ہے جس طرح اُسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح اُنہیں درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ طبیعت خود اسکو اُکساتی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے۔ جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے۔ یا اگر ان میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے پیش کرنا چاہیے۔ مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

کی بے حقیقتی۔ اور اہلِ جہاں کے طور و طریق کا تذکرہ۔ دولت۔ مفلسی۔ عیاشی۔ تماشبینی
بھنگ چرس۔ افیون۔ وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں
ملتی ہیں۔ ہندوؤں کے تہوار۔ دسہرے۔ ہولی۔ دیوالی کنہیا جی کے جنم لیلے کی
کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید
بقرعید۔ محرم شبرات کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں سے یکساں محبت۔ دونوں سے ایک
سا برتاؤ۔ دونوں سے وہی خلوص۔ وہی دوستی۔ یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن
رام رام پر عامل۔ لفظوں کی وہ افراط کہ ایک دھار دریا موجیں مارتا دکھائی
دیتا ہے۔ معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے۔ بیان کی
سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں۔ بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی
چلی جاتی ہے۔ تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف
ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار، ایک ایک جالی کو
دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر
کان چھدوائے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں موٹا سا سوٹا لئے ریچھ کے بچے کی
کمبل پکڑے اسکو بچا رہا ہے اور اپنے سوٹے سے اسکو سدھا رہا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی
اور عالم کی بے ثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے کہ روپیہ پیسہ
دھن دولت مال و اسباب سب ہیچ ہیں۔ اور ہماری خواہشات لایعنی۔ ہماری
بود بے بود۔ ہماری ہستی عین فنا ہے۔ دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں
دیکھتی ہیں کہ ہر دیوار پر چراغاں ہے۔ مٹھائی کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں۔ مٹی کے
کھلونے بیچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ کھڑمچیے
کھیلیں بیچ رہے ہیں۔ دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھیلیں باندھ
باندھ کر لٹا رہے ہیں۔ جواری اپنے اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں چھوٹو اکو

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکمائے یونان کے مقولہ کی مطابق
صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے
کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں غلو اور
مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری
نظیر "میاں نظیر جب مرگئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر
اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن
ہندوؤں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرونانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف
چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے
تعرض چھوڑ دیا۔ اور ان کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا
انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا
بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ گروہ نمازیں پڑھی گئیں،
جسقدر اُن کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی۔ اور
اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہنود لے گئے نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے
پارچے رکھے جلائے کیا کئے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶۔ اگست
۱۸۳۰ء اور بقول بعض ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھکر ماننا
پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے
نہایت زود گو اور پرگو واقع ہوئے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہہ دینا ان کے نزدیک
ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور ہر مسلک کے مطابق شہر کی
مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ سواریوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں وغیرہ کا ذکر دینا

اور ہر کے دل سے ہو یہ کہہ لیں نہیں نہیں　　جب مرد واسطے تو یہ دیکھیں یہیں یہیں
مجھکو یہ سست ہیں اتنی ہیں تیری بھائیاں　　جب تا آکر جو تم ملنے لگے ہو۔

نظر۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً شاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے۔

لطف آ جائے تو ہو شکر کی گھٹا　　مرحبا پانوں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا
پانی کے چھینٹے کر رکھتا ہوں میں پیمانہ جدا　　کیتڑی رکھتا ہوں میں ڈھکا ہوا شیشہ جدا
دیکھ لو چاندنی ہے سونے کا پانی بکھرا　　روشنی رکھتا ہے فانوس ترا پیمانہ جدا
آتی ہے خنکی کو ترا عنبر عودوں کی ہوا　　دور ہے بستی سے لے چلئے یہ ویرانہ جدا
عشق کمبخت نے دونوں کو بنایا پاگل　　وہ سڑی ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا
بالٹی مے کی بھر دل ہے کہ گھنگھور گھٹا　　ٹانک کی ٹانک ہے پیمانہ کا پیمانہ جدا
حال کو چاہئے مستی سے بہت دور رہے　　دیکھ لو رہتا ہے مستانے سے میخانہ جدا

نظیر۔ شیخ ولی محمد نام تھا۔ آگرہ میں بیرون شہر متصل تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ نہایت خلیق وضعدار زندہ دل رنگ تھے۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور ان کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر تھے ملنے کے لطیفے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی۔ مذہب سے عقیدہ رکھتے تھے۔ مگر تعصب سے دور نیک مزاج تھے کہ شیعہ سنی کی تفریق تو درکنار ہندوؤں سے بھی وہی ربط و ضبط اور خلوص تھا۔

دیوان میں جا بجا ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے رعایات لفظی کا گورکھ دہندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔ مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حد اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں تو ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں۔ بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے۔ افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے۔ مجبوراً دو شعر تذکرۂ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھسے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ
بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ
کیوں للال۔ سالے کا تم لیتی نام ہو — فجری فجر نہ نام لو اچھی بڑی بلا
محل میں خواجہ بدامی پہ چھوٹنے یا دے — یہ حکم آیا ہے انا جناب عالی کا
بیٹھے ہیں ہر کسی کے پاؤں تم کیوں دیتی ہو خانم — بھلا ہے شوق اے بی بی تمہیں جھگڑا چکانے کا
...کھولے کیوں پڑی پھرتی ہو کیا ماموں ہوا — دیکھو کپڑا آکے ڈھانکو کیا تمہیں یہ دن ہوا
بس پٹے ہے اتنا بیلا پن مجھے بھاتا نہیں — ہو گیا تو ادرا بھی سارا نہیں.....
شمع جلواؤ گی میں... میں تیری لونڈی — جو بہلا چاہتی ہے کہ مرا زیور پیدا
کہتی ہے انگلی سی گھر بار بسایا اس نے — کرتی کیوں اپنے بیٹے پر ہی تو بہتان بنی
چھاتیاں کھولے جو در آئی چلی آتی ہو — اجی بہنوئی ہے، بیٹا نہیں شرماتی ہو
ممانی ماموں کہیں ہووے تو دیکھو بہن بچی کھائی ہے — مجھے چھپا دو کہ مارے ڈر کے کلیجہ میرا دھڑک رہا ہے
جاتا ہے وہ اندھیرے میں اسکے واسطے — ایسا نہ ہو میانی میں باندی چراغ شمع
لیلے کو دیکھکر مرا جی کلبلا اٹھا — اے کاشکے نہ آتی میں اس آن باغ میں

اتفاق سے مولانا سے لوگوں سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں
جو جو عزت ہمکو منظور نہیں
گلتی نہیں زور ہاتھ آمد کے بغیر
ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

ناسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں
ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا ہو
دادی ڈہری تھی وہ آپکے کہ نہیں

عمار ہے جب ہم سے بدلکر بد ہو
ایمان کی مردود نہیں تم میں بو
یوں تو ابوالحسن کا دشمن کہلاتا ہے
اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اس حدیث کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے مگر وہی لوگ تھے جنگ جری شروع ہوئی اور ان سب کو جنگ میں جانا پڑا مولانا کو ایک موقع ملا۔ رباعیاں کہیں۔

جو گردن سے ملنے کو تھے ناہنجار
وہ توپ کے منہ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے عداوت ہے جنہیں
ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آزار دکھاتا ہے
سچا جھوٹے روتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے
سو بار جھوٹے کے منہ میں گرتا ہے

نسبت ۔ میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام و فا کا — اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑا رکھے ہیں دو شالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے پڑا وار — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ اکبر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو اسنے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — بے مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو توالی جائیگی

نکلی دل سے جو تو عادی نہیں ہے کوتوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دسترس پاؤں تو دریاں بھی تیرے پاؤں پر — مار دوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کر کے پریشان کیا کرتے تھے
اُن کے لیئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ چسپاں ہو گیا — موت نا آیا نہیں اور اونٹ بوڑھا گیا

ایک مرتبہ دوران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطین پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں مولانا عربی فارسی انگریزی اردو ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسی وجہ سے زبان پراتنی زبردست قدرت ہے جس کا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن فہمی آپ کا خاصہ ہے غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہوچکا ہے عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اس ان مصیبتوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں البتہ آپ نے دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل حلوۂ یار میں شائع ہوئی ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے ۱۹۰۵ء میں آپ سے نیاز حاصل ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اسی نیاز کے حال پر مبذول رہیں۔ گو اس عرصہ سے خط وکتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب اندازاً ۴۵ سال ہوگی۔

نازک ۔ دور موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجہ اتم شوق ہے پابندی سے ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب داد ظرافت دیجاتی ہے ۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپکو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہاں تک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا ۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے ۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے ۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں ۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے ۔

خدا بچائے بوا مردوں کی دید سے ۔ کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ نگوڑے ہیں
کوساچی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی ۔ ساتوں لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنو
چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی ۔ طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی
انگلیاں بھونک کے آنکھوں نہیں جگایا شب بھر ۔ نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی
میں تو لو لڑتے میں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں ۔ منہ سے کہہ لے نہیں دیدے دکھائے کوئی
میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی لے بنو ۔ پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دئے جاتے ہیں
اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرنا ۔ جو کائیں کائیں مچانے لگی موئی بطخ
ندیدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا ۔ اب انڈے دے کے بھی کھا نے لگی موئی بطخ
بیھوٹں دالی پوتوں والی ۔ ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی
دانتوں میں مسی دانتوں میں پھا ۔ ماتھے پہ افشاں ہونٹوں میں لالی
میں نے سب کو سمجھا ہے ۔ سب ہیں میری دیکھی بھالی

جو ہم خوشی سے کسیرو سا سر منڈاتے ہیں	تو کس غضب کی وہ آگ جیت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس نادان سے ملتا ہے	نسب معشوق کا ایسے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین - تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے - مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش ادا اسلوب رستم توان بزور قوت سہراب طاقت کا - نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اُسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے - اس کے خم کے آگے زور آزمایان زور خانہ طاقت کا سر جھلکتا ہے - اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے - اور یاران ادا فہم اور حریفان ادا شناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفرین شعبدہ ایجاد کا ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ" بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے - ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے - چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے - یہ صاحب دیوان تھے - مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے - دیوان ناپید ہو گیا - تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے - ذوق سے ان کو خاص محبت تھی - چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے - جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے -

محبت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے
جو نوں کو تیرے پاجامے کی ہم کشمش سمجھتے ہیں
بلاتے بھی ہیں اور پھر بزم سے مجھکو اٹھاتے ہیں
مرے رونے کو بھی بادہ مرے غرفش سمجھتے ہیں
اسی سے آگ لگتی ہے ہماری جان اور تن میں
تری گرمی الفت کو ہم اک آتش سمجھتے ہیں
غرض یہ ہے کہ تم پر ہر طرح سے جان دیتے ہیں
نہ ہم دانش سمجھتے ہیں نہ ہم کاوش سمجھتے ہیں

ٹاپے میں مجھکو بند کیا جبکہ دوست نے
مرغا سمجھ کے میں نے بھی شب بھر اذان دی
کی بال بال سشرح ستمگر کے سامنے
مونچھیں منڈائیں اُس نے یہ تو خود سر کے سامنے

پتھر بنے ہوئے ترے در پر پڑے رہے
جس بات پہ اڑے تھے اُسی پر اڑے رہے
جوش جنوں میں باندھ دیے اُنکے ہاتھ پاؤں
کھینے سے وہ بندھے ہوئے شب بھر کھڑے رہے
اُن کے خرام ناز نے کی شوخیاں بہت
مردے جہاں گڑے تھے وہیں پر گڑے رہے
فرمایش اپنی جورو کی کرتا ہوں پوری سب
گھنگرو تو لا دیے ہیں فقط اب کڑے رہے

آزاد کیا ہے رنڈیوں نے
جورو کا غلام ہو گیا ہوں

پروا نہیں ہے اطلس و کمخواب کی مجھے
کیا چیز ہیں یہ میری دریا کے سامنے
لیلی نے سب سہاریوں کو حکم دیدیا
کوئی نہ کچھ کہے مری میا کے سامنے
عشرت ہے ایک مجھکو تو غم ہیں ہزار ہا
تو لہ بھی کوئی چیز ہے ڈھیا کے سامنے
یوں پھر رہا ہوں اس بت کافر کے عشق میں
پھرتا ہے پھیرا جس طرح گیا کے سامنے
تعریف کیا کروں تیرے ... کی
سبزہ اوگا ہوا ہے گڑھیا کے سامنے

شبِ غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں سب عمر — ڈسا دیا سلائی دیا درسِ الٰہی
راتدن احمق ساتے میں سب مشغول ہے — آپ ہیں پوری ملنڈی یعنی جامے ول ہیں
کیا ملیدہ رہگیا میں کیا پھسڈی رہگیا — یہ کچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک سدڑ رہگیا
لیکے منڈی سے دیا پورا مجھے انجور کا — عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ موٹا ہے مگر کتنا جامدانی ہے — کہ باہر سے شی ہے پر اسکی مہترانی ہے
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو — شبِ فراق مگر سب غموں کی نانی ہے
ہر اک جھلک میں ہے شعر اک جو تو تماشا — کبھی ہوتی ہے سوال کی کمائی ہے
یہ کس کے غم میں ہے سوگوار تم آخر — کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے تھیں دو بیسے ہزاروں بانکے اوپر رات دن — وہ مٹ بدخو مزار شیخ مسدود ہو گیا
حسب دشمن سے پڑھا ئین میٹھا لٹس شوخ کو — سچ تو یہ ہے میرا وہ لس آنسوؤں سے اُلّو ہو گیا
تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں لالا — تارے جیسے اک سیہ اطلس پہ اُلّو ہو گیا
یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا — مرتا ہوں مگر کو کردوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ تیری کی خبر — کوہ کوہ کی یہ خبر سنتے ہی نانی مرگئی

خیال ان کا رہتا ہے سر پر سوار — اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں
سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں زور — ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں
ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا — اسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

کل جو گڑیاں کھیلیں آپ نے لطف حاصل ہو گیا
وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا

اب انھیں یہ فکر ہے اسیر کریں کیونکر ستم
اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا

اب اس بت کمسن نے ڈالی ناک میں جسکی نکیل
اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاتی ہو گیا

دیکھیں کیونکر کہیں آخر بت بے پیر سے
وہ ابھی بچہ پیر ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب کے یار میں
کمرکھ لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں

لیلیٰ کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے
مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں

مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر غیر پر
ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں

لیلیٰ کے ساربان کے شتر غمزے دیکھئے
مجنوں میاں کے کان ہیں بندھے مہار میں

معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی
وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں

دعوت کے ساتھ ہی مری السلٹ بھی ہو گئی
بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں آپ نے بگھار میں

بیری پہ بیر کھائے وہ ماہرو ہمارا
بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا

ملتا تو صرف تم سے ترک بینڈ مانگتا ہے
ہم سے ہے پٹا کرائی کیا آبرو ہمارا

کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی زاہد
دیکھا اسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں
کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی میں اور دہن میں

جب چاند بج گئے تو بجا گے وہ وصل کی شب
کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹناٹن میں

دشمنی کے لئے تیار ہے بلی والا
کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا

کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں
توند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں ملے میں — مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی شئی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ فنکار اکثر — جناب شیخ کو انداز رقاصہ کا پسند آیا
ہماری گردش قسمت کھاتی ہے کہیں ملے — ملا دل کو بھی انداز میرا پسند آیا

بیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا — پاؤں پھر ساتھ میں لیتا ہوا الفصل آیا
فعل یفعل کی جو سکر پڑھی صرف کبیر — ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اس پلیڈر سے کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب — ہاتھ کھدر کا اگر کہا کبھی مراسل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار — شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر — لیلیٰ اچک کے پردۂ محمل میں رہ گئی

اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس پا دل سے ملتا ہے — یہ معشوق کا پیرے ہاکو دل سے ملتا ہی

سوال وصل پہ ان کو حیا آئی حجاب آیا — مگر میں بھی بڑا ہی سر پھرا تھا جھٹ جواب آیا
حسینوں نے عجب گلچپ مچائی رہ صدا میں — لپک کر کھا گئے ورنہ اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا عدد اچھا نہیں ہوتا ہے بس لیجئے — کمر کو توڑ کر کہا دو لٹکا اگر مجھ کو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک عورت حسین معلوم ہوتی ہے — دلہن سجا گئی حسد ان کو بھی پری شباب آیا

سوز دل سے مثل چراغ بزم ساقی ہوگیا — رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈا ہوگیا
حملہ رسالہ میں بھی اک شکیل و تماشا کا — رات بھر ہولا رہا اور صبح مرمی ہوگیا
اس مرض کس کے ہیچ پڑی جو ہے بس کی حکمت — دو گھڑی کہئے کہ اور دل کیا تو والی ہوگیا

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لیے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ مل اے مو کمر مت پیچ کھا
مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو گنگا
کبھنور میں دیکھ کر جمنا اسے غوطے میں جا لنگا

نہ ٹوکو یار کو کہ خط رکھاتا یا منڈاتا ہے
مرے نشہ کی خاطر لطف ہے سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جاتے ہیں

جان ہے چھوڑتا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جاں بخش آگے تیرے سخن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

ناز سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھدیا جائے گا۔

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا۔ بڑے حریف و ظریف تھے محمد شاہی لڑائی میں
مردو تھے۔ سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ
ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے۔ میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں
"جوانے بود آملہ رو۔ سپاہی پیشہ مزاحش بیشتر مائل بہزل بود معاصر میاں
آبرو۔ بندہ او را یک دو ملاقات کردہ بود مشعر ہزل خود میخواند۔ مردمان را
بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر گاہے تبسمی میکرد۔ وطنش شاہجہان آباد
جوان از جہان رفت"[19] اسیطرح میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ "در اوائل
سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را
بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر تبسمی میکرد"[20] اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے
ہیں۔ "اہل سخن نے انہیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ امیر خان جو
محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ ان کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج
اور شوخ طبع بہت تھے۔ راہ چلتے سے الجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے
اسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا بیانات سے ان کی شوخ طبعی اور
ظرافت مسلم ہوتی ہے۔ مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والوں میں سے
کہ ایک شخص نے بھی ان میں سے ظرافت کا ایک شعر نقل نہیں کیا محض ان کی
مثنوی اور چند اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کر لئے ہیں جن پر ان کی شوخی کا

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا — بفگند و بکشت گفت کیں خوست مرا
سر باز بہ عذر می نہد بر پائم — دم میدہم تا بہ کند پوست مرا

قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست — گفتا ز سر کینہ کہ این واقعہ چیست
من پیرم و... من نمی جنبد ہیچ — ویں قحبہ مریم است این بچہ زکیست

آنی لکھنو ہیچ کس تو چیزے نہ دہی — صد چوب مغل خوری و چیزے نہ دہی
منکے کہ اد و روغن بزرگ گیرند — گر بر شکمت نہند چیزے نہ دہی

در خانۂ تو انچہ مرا تا آید نیست
سدے ز دل رمیدہ وکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال
آرے ہمہ ہست انچہ مرا باید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زن نوجواں اگر پیر بود
چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثل ست آنکہ گویند زناں
در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت ظریف الطبع تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ پچھلے کے جاڑے میں سب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ دل لے رہا تھا کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

تا اہل فلک اسپ سعادت زیں کرد
در حملہ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زریں نعلت
بر گل ننہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ اور یکس کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً قصبہ بلخ کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا۔ اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطبار کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اپنی خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ۔ چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی۔ تو گر پڑے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمایش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے۔ مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے۔

مرا با تو سر یاری نماند است　　　دل مہر و وفاداری نماند است

ترا از ضعف پیری قوت و زور　　　چنانکہ پاے برداری نماند است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے۔ یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کر دیا۔ مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

نہ کندہ نہاد سر و سیمیں تن را　　　زیں واقعہ شیوں است مرد و زن را

افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود　　　پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی۔ مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی۔

چوں مرا از رو نگہدار اشتیاق — حملۂ شہوت گشت در تن حوس
طرہ ... بر سر م ... ساد — کاش بودے او در من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا۔ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا سہو خطا ہے اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا اظہار اور فطرت دوبا دب کر رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بے تکلف پھر کسی کا رنگ پسند آیا اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا چند روز کے بعد یہ بھی مرحلہ پھر بسوں شعر کی نوبت۔ آخر تھی سنہ ۲۲ میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو اب تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مہتر تمہاری جھاڑو سے افسوس آج تک — سبزہ ہے رخ پہ یار کے اور صاف ہی نہیں
مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی — بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو
ہمکو اے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا — جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ ٹوکرا

مہری۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاد بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل بھی۔ مطائبات

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے ۔۔۔ لاکھ صورت سے اچھی بات بنائی ہوتی

کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل ۔۔۔ جلینے کے ترے غمسے مجھے پڑ گئے لالے

سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے ۔۔۔ لو اور سنو یہ بھی ہوے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے ۔۔۔ صحن میں پا کے بے حجاب مجھے

چھیاں لیں گلے سے لپٹا کے ۔۔۔ پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے

منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں ۔۔۔ کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج ۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے ۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے ۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے ۔۔۔ اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانا نائی ۔ ادیباق تخلص سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے ۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا ۔ مطایبات کہنے کا بڑا شوق تھا ۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں ۔

دی بہ حمام از پے غسل جماع ۔۔۔ گشت رہبر طالع میمون من

کیسہ مالے با سرین چوں بلور ۔۔۔ بہر مالش گشت پیرامون من

مقروض شاعر اور مرزا سابق کے ایک معمولی مکاری اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو کسی درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ ان کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں، ت تک اور مرزا میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت ۔۔۔ ایسی ہتی جیسے زاغ کی صورت

نام گلزار داغ ہے جس کا ۔۔۔ ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت

تم کہیں دو کھی شربت دیدار ۔۔۔ ہوں سراپا ایاغ کی صورت

ہائے ہمیرا مایل کی طرح ۔۔۔ سر بسر ہے دماغ کی صورت

اٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے ۔۔۔ غم سے کیا ہو فراغ کی صورت

داغ کے غم سے بزم ہستی میں ۔۔۔ جل رہا ہوں چراغ کی صورت

چشم بد دور واہ کیا کہنا ۔۔۔ میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر - سعادت یار خاں رنگین کے ساگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر ان کا تذکروں میں ملتا ہے جو کہ یہاں سلسلۂ الطرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تری بیان کریں ۔۔۔ شانے کے دانت توڑکے اپنی زبان کریں

منخور - مستی اسد اللہ نام تھا۔ سحر جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے مستی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دگانا

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر
تھا اسی دن سے بنا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

ولامت ووٹر تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پہ
پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پانوں کائی پہ

سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں جنسا سبز
دل میں جوں صوفی صافی دل کے پلوا نواز سبز

کائی لد وتم مجھے آگے خدا شانی ہے بس
دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق
جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف
زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگوں پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل
اس برس رنگ ہے نور ذر کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں
میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ ہیں
کھوے ہے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری جگ ہیں

اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو
یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی
چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دن رات کی
چاہتا ہوں ہر جگہ سر سبزی اپنی بات کی

دس بڑھاپے میں بھی کم ہو ونگے لہری ہم سے
سبزہ رنگوں سے جھنا کرتی ہے گہری ہم سے

یارب سبزہ رنگوں سے اب دل میں غم بھر آیا ہے
کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

ز رہ طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے
یادیں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود - مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من
بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمائش کر دی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد کو جو رسے خان متخلص بہ راشتہ سے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے کسی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا اسو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آموں کے اشعار لکھ چکے ہیں جن میں یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسلئے یہی ضروری سمجھا کہ سبز رنگ کے اشعار بھی نقل کیے جائیں۔ گو آموں کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور ان کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسے قائم رکھا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کیسے تھا سبزہ رنگ الٰہی مرے سے لپٹے | نشانی گر ترا ہوتا نہ میلا سبزے کا
بسکہ سبزہ رنگ ہے قاتل مرا | مست ہرا رہتا ہے زخم دل مرا
کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آ گیا | اڑ گئے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آ گیا
سبزہ رنگوں کی جو میں اعتنا کر رہا تھا | خلط صفرا یاں تلک اس کا کیا اکر ہوا
حرف شیریں تیرے منہ سے ہی نکلا نیا ہے | سبزہ رنگ آج ہی تو ہرا لگتا نیا ہے
سبزہ رنگ آگے گر آ تو جھک ساتھ لیے | کیا کہوں آنکھ کے طوطے بنے ہاتھ کے راہ
قتل کی کچھ مرے سبزہ رنگ کر تدبیر آج | دل مرا چاہے ہے سیر سبزہ شمشیر آج
سبزہ رنگوں کے فریبوں میں آیا طرح | عشق نے پھر سر اٹھا اسکو دکھایا طرح

چپکے چپکے اُسکے پیچھے ہائے بھولا شام کا | صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ
ہاں یہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں | آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ
کعبۂ دل ڈھہ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے | اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپکر زلزلہ
پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر رفتار کا | فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑھکر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوئے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے سنہ ۱۲۴۲ھ میں دنیائے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجائے۔ اور اس صنعت خاص کو یہانتک

انسا کی سجدہ دریاں اور ستم ظریفیاں حسد سے شروع ہو گئیں تو الکوں نے مرحوم کہکر انسا کو چڑایا انسا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور بخوبی جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ حدت — وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے
میں گوز سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو — گر بول اٹھے ادنی کی جوں جوں مرے آگے
قدرت ہے خدا کی کہ اٹھے آج وہ شاعر — طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے
موسی کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی — گو حصم ہے اسود ایوں مرے آگے

مصحفی کا طریقہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جائے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے گزشتہ نمونہ اختصاراً لکھکر چھوڑ دیتا ہوں دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے مصحفی نے ایک طویل عمر پا کر سنہ ۱۲۴۰ھ میں مقام لکھنو وفات پائی۔

م۔ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوئے تو آپ کے عجیب و غریب خیالات کو اس طرح حسن ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ — دیکھ لینا اس کے جو آئے گا کر یہ زلزلہ
اے ستمگر تو دکھانے ایک ٹھوکر زلزلہ — جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہے کیونکر زلزلہ
اے عمل جایاں روش مغربی بدلی چھوڑ کر — ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہے اکثر زلزلہ
آمد آمد پھر کسی پر کائنہ آفت کی ہے — پھر جہاں میں آنے والا ہے مقرر زلزلہ
ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہے یہی — دو قدم رہتا ہے پیچھا کیے ہٹکر زلزلہ
اے حب کا در تری جا لیسے اکثر ہند میں — آتا جاتا ہے برابر زلزلہ پر زلزلہ
مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہو گئے — اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

انشاء نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناچ چھپانے کو پس از مرگ
رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں انگی

کچھ کیا تھا - بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لمڈ ورا اتنا لکھا گیا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرے کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں۔ دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری
لے پہنچ اے مصحفی روح اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ
لکھنؤ میں حسن کی بندہی ہی لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھ کر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار دیباں قرمزی دوشالا
لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے
کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم نیم قد نہ ڈوبیں
لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ملا لا

ناچی ہے تری عالم لاہوت میں انگی
حالیک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگی

اس کے در پر میں گیا سوانگ گت کا بنا تو کہا
چل بے چل دور ہو کیا لینے تو آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا
نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

جیئے عاشق نہ کیوں اسکے ممولے
کہ چشم شوخ اسکی ہے ممولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد
قفس میں از پے بلبل ہنڈولا

سلیمان شکوہ کو وقت موقع اپنی سریلی آواز میں اُسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوش صورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ ملہ تھی۔ ظرافت آئی۔ کچھ مزاج سازی وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جن سے شہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کیا غریب ثقہ متین۔ مہذب۔ حذمات حزن و القصاص ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی عزت و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہوتا تھا۔ سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کردی جس پر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہو چالیس پچیس کا لائق	تھا مرد معمر کہیں وہ بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب ٹھہرے ہیں	ہم بھی تجھے کہیں عمرو بن کس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اپنے مقرر	ہو ملتا ہے جو دو راہ کہ شاگرد کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف ارادت میں انگلی | کی رشک سے حادیدہ ہاتھ میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جن پر سید انشا کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع مل گیا۔ اور بڈھے کو خوب ستایا گیا۔ مثلاً اس کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ | تھی اسکی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ اور ضروری کی تکمیل۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ رو بہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے ادھر اودھر چل دیئے۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں اگرچہ چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ مشہور ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہانتک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی نہ تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی ان کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہد پن فواحش۔ رذالت کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹر میں تو ممّوں نے کہا | مجھکو دھوکا ہو گیا لیلیٰ نہ تھی محمل نہ تھا
باپ ماں نے یاد میں شادی کی سٹرٹپی الڑی | ورنہ خورد کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا
ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں | بس جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو گھبرانے لگے | گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ ہمارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہے بگڑ کر سہرا | ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا
تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے | کہہ دو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھ کر سہرا
کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آ ملتا | پھر یہ ساتھ لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا
عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے | بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا
کہہ دو مالن سے کہ تھامے رہے ڈرتا مسٹر | رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھ کر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دی جائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کر فروخت کرتے تھے اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو و ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اے مزل ناز کا گھوڑا کدا ‏ ‏ ‏ ‏ شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مست سرمست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے درج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑ ہو نہ کبھو ‏ ‏ ‏ ‏ خانہ جنگی نہیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مسٹر سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ تحفہ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کر کے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پر فن میں تھا ‏ ‏ ‏ ‏ غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جھلنگانے جاؤنگا ‏ ‏ ‏ ‏ جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا

آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا ‏ ‏ ‏ ‏ روٹی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا

سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں ‏ ‏ ‏ ‏ ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا

کہا گئے یہ کہہ کے وہ وِگی وہ پوری پیگ کی ‏ ‏ ‏ ‏ وہ مٹجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا

ایک سی داڑھی تھی دونوں کی ایک سی مونچھیں تو پھر ‏ ‏ ‏ ‏ ظاہر اکیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا ‏ ‏ ‏ ‏ سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا

کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی ‏ ‏ ‏ ‏ گر نہ تھا چوکھٹ نہ تھا یو دم نہ تھا یا لنگ تھا

گارڈ صاحب نے برک میں رکھ کے چلتا کر دیا ‏ ‏ ‏ ‏ یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

ناظم مقرر ہوئے۔ درست سے مواضعات معافی بھی پائے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اس رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربار داری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

اشک کے ہوئے یوں رحم بدن پیدا	رات کو جس طرح ہوں اختر پیدا
ہیں داغ ان کا ہے کرتے ہیں جو نے یکایک	حوش لعیب ایسے بھی ہونگے کہیں بد پیدا
شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا	بیضہ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا
جھوٹے لگتا ہے ہر تیغ و رہیں سکر	تا ہیں سارنگی سے ہوتی ہیں جو ہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر	ہمیشہ ناقۂ لیلےٰ سوار رہتا ہے
چلے ہیں وہ سوئے گنگا اعمارکے دن بھی	اٹھائے بار براکت کہار رہتا ہے
حسب وصال وہ ضد کرکے ہم سے کیا لیتے	یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے
ہمارا بوٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے	گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں جو گا ڈروں کی جانیں	کمین کے واسطے یار و حرام ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم مروجہ سے آگاہ تھے شاہ آبرو کے معاصر تھے نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے اس رنگ میں

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنے میر انیس کے چچا تھے۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوے۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے۔

اے دداد یکھو اب ہو گا بڑا شر پیدا | لو ناخن نے کیا اور نیا گھر پیدا
مردوں کو ترس رنڈیو نیر کیوں نہیں ہوتا | میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار کہنے کا بڑا شوق تھا۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منور لی بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دلی میں آکر سکونت پذیر ہوے تھے۔ بعد چندے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر یعنے

رنگینی۔ بیان میں آمد۔ بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی۔ تقشف۔ پھیکاپن۔ بیمزگی۔ بہرصورت باسط نے ایسے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے۔ ذلک فضل اللہ الخ۔ آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں۔ ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے۔ ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں۔ شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵-۳۶ سال کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

حضرت دل جو کسی اس کے حوالے ہوتے — جتنے گورے ہیں مقرر مرے سالے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سے سیکڑوں کو مار آتا ہے — نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا آ کر اے پریشانے عاشق ترے — تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خفا ہے اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے — اکڑ کر بندہ درگاہ بھی شہتیر ہو جاتے

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا — لئے سر پر پھرا کرتا ہے ڈھولک چارپائی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے — تجھکو دلدار کہیں ہم کہ چڑیمار کہیں

کیا فرق ہے بتا دو ماسٹر میں مولوی میں — وہ شاخ ہیں قلم کی ٹہنے ہیں یہ پرانے

جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے — پکڑ کر کھینچ ہی لونگا فتن سے

کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر غبغب حالی — ہاتھ کا نیا مرگئی نانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں — تم تمبولی اُسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا

بہ تنگ آمدم چوں شب ہجر اے دل — طپاں سوے او چوں لب مجھ یار سیدم

بڑھلکے حیرات سے ہے قوم کی حدمیں لوٹ	بھیک دینے سے تو بہتر سا سوال اچھا ہے
مال آغاؤں سے وعدے پر جو ملتی ہے لیجئے	جب تقاضا ہو تو کہدیجئے کہ ساس کیجئے
تعلیم مغربی سے بھی پھولے پھلے ۔ ہم	دولت گئے و ہیچ وہ قسمت سے سرک گئے
کھاتے نہیں بڈ ننگ کسی کے داؤ سے	محو رہیچ ہو گئے دم کے لگاؤ سے
گر لوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد	اس بیڑا پار ہوتا ہے کاعد کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریا بادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تمتع ہے ۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور سدہ دلی نہیں ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں ظریفات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں اور جس ظریفات سے وہ لوا ہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے ادا معدوم ہوتے ہیں ۔ ان کے کلام میں قطعات ۔ رباعیات ۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اصناف کلام کا یہ تذکرہ محمل نہیں ہو سکتا ۔

م ۔ ح ۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور ان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے ۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ انہیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے ۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں ۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے ۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں ۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں ۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت میں

نہ ہی پہونچیں گے اب تو منزل تک — جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے — ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے — تو اچھن آ گئی ڈولی میں زن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی پوسٹ — بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب — ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس — مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی — کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہے زمانہ میں محب دو ہی طرح — چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول — یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

تاکجا قدر سخن ہائے شاعری کے ریٹ سے — اور ہوتے ہیں تو لد اب سخنور سیکڑوں

مدار کار جہاں اب سکنڈ پہ ہے — گیا وہ وقت گھڑی و پل سے کام نہیں

وہ وزن لکھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں — پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو چسکا پڑا ہے فوجداری کا — مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا ان لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا — جنہیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلی سینری دیکھو — نہ جاؤ بھول کر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق — گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو — مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے — بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلیٰ عزیز — عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک بلڈاگ ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں — کہ سوڈا اور لمنیڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے — نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

اب اسی میں سرخروئی آبرو داروں کی ہے — لیں انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح
چھوٹی ٹمٹم میں کا ہے دائرہ اُن کی کمر — ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کی طرح

بزم معشوق میں یہی لطف ہے پسند — ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہو مری آنکھوں میں بلا کی پھری — حسنہ بختوں کو سارس کی ہر بکواس پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز — چمچے کے آگے دال ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف — اس کے آگے دیوان ہے کیا چیز
عیش جا ہو تو شادی کھاؤ — ڈر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش سپیچ لیٹس اس — بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی ڈپیوٹیشن کی کوشش مبارک — یہ ریلہ مبارک یہ جوشش مبارک
ہوا اٹل صحیح درد میں ما ہم — یہ مضمون مبارک یہ مدحت مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں آپ ایسے ہیں ویسے ہیں — کوئی کافر ہی اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تعیش میں وہ ہنستے ہیں تو پبلک غم میں روتے ہیں — جو اک اللہ تو ہی ورد الفت اُس کو کہتے ہیں
یہ جھگڑے کٹ جائیں واعظ آجکل کے تیر طعنوں سے — کہ وہ ہیں وٹ کسرے کے یہ لوگ گھڑتے ہیں

ستارے مرگئے ہیں نئی روشنی پہ ہم — انگلش علامہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے — گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو اس سموں کی لپیٹ میں — دولت وہی جو سے ہے اور ستے پیٹ میں

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا ... ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اور کوٹ کا زمانہ ہے ... نام صاحب نہ نورزائی کا
ڈاٹتی ہیں حسین لیڈی ہیپ ... کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ ... بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں ... ڈھونڈھے سے کوئی ویاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں ... کیوں نہ ہو ہمکو شوق جیسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہے ... یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اورمے سے ہوا شوق ... اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہو گا
کر دیا بدحواس چندوں نے ... دھیان کسکو ہے وان اور پن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا ... چھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا ... سر پہ جب سے ہے مغربی ٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ ... اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
بے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث ... ایک تختے پہ یہ لکھ دیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مئے عیش اڑائی ہے محب ... آج ہوا آپکو قرقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم ستادل ہوں اہل جرمن کیطرح ... بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

تصور ہے مسولی کے مصف پرساریالکا — کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا
نہیں ذوقِ عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا — خدا سے پھر گیا ہے دل آجکل شہرِ شیطاں کا
شگفتہ خاطری موقوف ہے ناٹک کے حوروں پر — کوئی شائق نہیں گلزار تعلیق پریکاں کا
مسلماں کے لئے ہیں بھی لطفِ حیاتِ جاوداں ہر — خضر ہوٹل پہ بھی ہوتا ہے چشمہ آبِ حیواں کا
کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی — منہ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہو گیا
پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی عسا — آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا
چلو جلسوں میں موٹر پر اڑاؤ جھنڈے لیتے جاؤ — بغیر اس کے اب ملک میں شہرا ہو نہیں سکتا
نئی حالت ہے اولادِ آدم کی حکومت میں — بڑھا ہے پیٹ کا رخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا
تو ملتے ہر جگہ نہیں دولت کوئی اس عہد میں — مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا
گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے — کہ اب ہمسے وفاداری کا کھٹکا ہو نہیں سکتا
زباں کا اب تو دعویٰ ہر کس و ناکس کو ہے بھائی — نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعت لسرنیؔ کو — طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا
وہ طمانچہ پڑا گرانی کا — دل غریبوں کا تلملا اٹھا
مل کیا میش کمپنی نے جب — اسے محب تیج ملسلا اٹھا

خوب ہے اتنو ملدی یہ ستارا اُن کا — چرخ پر اڑکے پہنچتا ہے غبارا اُن کا
ہے اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا — پھر آگئے یہ کرد دکر خدا یا اُن کا
طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی — ہم کو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں — کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ ترظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائے صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۷ء میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ مجب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تا حد مقدور شوخی وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریبًا ۵۰ برس ہو گی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق ہمسے ہوائی جہاز کا — بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر — رہبر شوق ہے اب عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی — اے محب تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

اُن سے باتیں کہیں تصور میں تو یہ ہم پر کھلا — کشور الفت میں ٹیلی فون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال — ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیٹ کا
کوئی نٹ کہتا ہے اُن کو کوئی بندر اے محب — شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

دیوان کے نواسے تھے خود بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور بیکسی
میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا اول اول میں
حسرت تخلص کرتے تھے پھر خاکی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی
صحبت میں رہنے لگے اور مجبور تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے
تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسی اگر بمکہ رود۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ جی چلا ہے کل وہ دل قرار ٹھہرا ۔۔۔ کہتا ہے مجھ سے چل رے تو کس کا یار ٹھہرا
اوسکے منہ سے گالی دے بیٹھا مجھکو جیسے ۔۔۔ تو اپنے منہ سے آپ ہی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبدالمجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی
ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسو طرح تجھے ملنے کو بھی لچا ہی ملا سوخ ۔۔۔ کیا مجھکو بنائے گا نگوڑا دو موا سوخ
آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے ۔۔۔ کل دو دو لگیں لاتوں کی ذلت تو پٹا سوخ
ان دونوں میں رہتی ہے ہمیشہ سے لڑائی ۔۔۔ کچھ کھلی لوا سوخ ہیں کچھ جھوٹی لوا سوخ
یہ کس نے سنائی ہے چھچھوروں کی ملاقات ۔۔۔ بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو لوا سوخ
بل سارے نکالوں گی ابھی نکلے کیطرح سے ۔۔۔ پاپوش سے ماروں گی جو بیٹھے وہ پٹا سوخ
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس ۔۔۔ بے شرم نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا سوخ
الفت جو مجید آپ سے تو تو بات نہ کرنا ۔۔۔ وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا سوخ

محب۔ منشی سر رج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریاآباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے
والے ہیں منشی لوت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں ابتدا سے شعر و شاعری کا

باپ کی ساری کمائی ہو گئی نذرِ بوٹ سوٹ
بہت کالج میں چڑھا فیشن کا پرخوردار پر

مولوی صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا
اٹھتے ہی اٹھتے مسلمانوں نے بھی دم دیدیا

پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرسٹری
نر سے مادہ کی عدالت میں ہے جنگِ زرگری

اب تک یہ خواب دیکھتی ہیں تمام ردل کا
دشوار پھینکنا ہے مگر اس کی چول کا

راز کھدر ہی میں کچھ سوراج کا مستور ہے
پر مرے نزدیک تو دلی ابھی تک دور ہے

مرا سینہ بھی پالیٹکس کا اس وقت مخزن ہے
ادائیں آپ میں سرکار کی ہیں ورنہ داس ہے

ٹھہرتے ہوٹل میں ہیں چھوڑ دو فکر سرائے
کبھی قہوہ پیو کبھی تم چائے

یہ ترقی لارڈ کرزن کی بدولت ہو گئی
مونچھیں گنتی میں ہیں، داڑھی بھی رخصت ہو گئی

آنکھوں کی روشنی کا یہاں بگڑا کھیل ہے
ان کو پسند پر بھی مٹی کا تیل ہے

عورتوں سے ہند میں بے پردہ کیجئے ق
خوب ہے ان کو کھلے بندوں پھرایا کیجئے

آپکے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی
ایڈ دے عورتوں کی اسکو پورا کیجئے

آپ اور ہم سے باتیں ہیں عذر کا دخل کیا
کودتا ہے کیوں کرایہ کا یہ ٹٹو بیچ میں

ساتھ غیروں کے ہیں یوں ہانی دیڈیشن آج
ساتھ کیونکر اڑے کس طرح مٹھو بیچ میں

لگ گئے گھوڑے تو ٹوٹا تسمہ موچی کا جناب
بیچ ہی پس گیا بیچارہ بدھو بیچ میں

یوں عذر منگا دھر تنگا بزم میں ہے بجا
مجمع ناگہ میں آ بیٹھے جیسے سادھو بیچ میں

اک طرف انگلش زباں ہے اک طرف ہے ناگری
پس رہا ہے بے سبب بیچاری اردو بیچ میں

نہ سمجھیں آپ مجھکو میں جی کا اپنے سیسر مول
حقیقت یہ ہے میں بھی جی بجا کہنے کا خوگر ہوں

ترکوں نے بیشک کیا ہے یہ کمال
جو دیا اسلام سے پردہ نکال

ترجمہ خطبوں کا کرکے اسکو رخصت کیجئے
نہر سے عربی زباں بھی حج کرنے کو چلی

مجنوں — شاہ مجنوں کے عرف یا لقب سے مشہور تھے پنڈت ناتھ جو محمد شاہ کے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے ۔ وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے
نہ مارو شیخ کو بے موت باجی ۔ نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے
نہ نکلے گھر میں ڈولی کے کبھی پیچھے ۔ بڑا نواب کا سالا بنا ہے
ننگی نگوڑی باتیں کبھی اور سب کے سامنے ۔ کچھ تو حجاب پیارے میاں و میاں رہے
ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے ۔ لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے
بوا ر و دیں مجھے جب پیچھلے وہ ۔ بُری ہوتی نگوڑی ماملا ہے
بناتا ہے موا دل سے لگے باتیں ۔ بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر ۔ عبد اللہ خاں نام ۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا ۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے ۔ میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا ۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں ۔ مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا ۔

کہیں تم چوچلے میں سا بھید کچھ اُنسے نہ کہہ دینا ۔ مری اچھی بوا یہ مرد بے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے ۔ سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں ۔ گل باغ مراد مادۂ تاریخ پیدائش ہے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے ۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے ۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں ۔ اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے ۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے ۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں سے گھر
ہو جیسی لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب

خام ہے یہ اُدھیڑ بن گیاں
چھوٹتی ہے میاں سے کیسی کب

آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی
رہتی گو ہر کو ہے بیگار بہت

لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ
کہا باجی نے دت موئے دور ہٹ

انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا
اسیر بھی سے ہے سرکار کی منظور نظر آج

دربدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد
یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد

سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں
ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سُرخ

جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں
خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد

کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی
میری چتر ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ

ایک دو تین اوئی بوا حد ہے
کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ

اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا
قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پہ

یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
بھلکی دالی یہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر

ردی کپڑے کو بھی ایگم بوا محتاج ہو
آگئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھکر

کرے گا خاک موا بیوہ خادما کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو التجا کا لحاظ

رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ
دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ

مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر
یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع

ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا
ہیں مصاحب اُن کے کٹنے منہ لگے مردار حیف

ہے رنگیلی ترا لوٹریلا میاں اللہ کی عطا
پیپلے منہ کا خمیدہ موا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا جاکے رنڈیوں کو بلاؤ گے یوں شراب کبتک
کباب کھا کھا کے سوتے تم کروگے ہمکو کباب کبتک

اجی وہ بالا نہ لاؤ گے تم یہ ٹالا ٹالی کب تک بتاؤ گے تم
کبھی تو کمرے پہ آؤ گے تم کروگے ہمکو کباب کبتک

ہے شیشہ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا　　میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

مجرد - محمد پناہ نام تھا - دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا - فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزلیات کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے - اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا - اور اس پر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا - خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو -

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر بٹھایا　　اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن - غالباً محمد محسن نام ہے خانپور ریاست بہاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے - ایک دیوان چھپوایا ہے - جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے - اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھ کر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا نہ ہو - مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا ان کے معاصر پہونچ چکے تھے - ان کے دیوان کو ان استاذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے - محسن اور شفیقا دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے -

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں کھڑے دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا
یہ لو یا دشت بخبر آ ہی گئے وہ حضرت لافر یہی ہے ننگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ معدن لعل لب یار میں قہ قہ قہ
بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ
کلیاں کھلتی ہیں ترے ہاتھ سے کھل کھل کھل پھول ہنستے ہیں ترے ہاتھ میں قہ قہ قہ
ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم ہی ہی ہا کرنے میں تو دو چار میں قہ قہ قہ
بھولکر بھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا گو نجتی گنبد دوار میں قہ قہ قہ
شوق مے نوشی میں رندوں کی وہ ہا ہا ہو ہو لطمے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ
قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ
قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو کو لب جو یا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ
فرط اندوہ میں بیتاب بڑی لوٹتی ہے کسنے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ
لیٹتے پیچ یہ مضحک ہیں الٰہی توبہ باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ
گدگدا دیتا ہے دورہ کے میفر استار دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ
کھیلتی کیسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی کیا ہی وہ غنچہ گلزار میں قہ قہ قہ

رمضاں میں حضرت واعظ　　کیا ہی بیٹھے ہیں دبکے ڈر سے
لاکھ ہی پڑھلے عید المیں　　ہم نکالائیں گے کسی گر سے
واہ رے ہم کہ ہیں بارش میں　　وہ چلے آئیں ہائے گھر سے

ایک تو ہم مراد کے مکتب　　اسیہ غصہ مرے یہ سو ڈر سے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو　　رو رہے تو ہو بہت عرصے
دعویٰ پارسائی اور یہ منہ　　واہ شاباش مرحبا ہٹ رے
کیا او کبھی غزل لکھی لاغر　　شاعری میں بھی ٹانگ گھسکاڑے

سمجھ میں نہ آئے کسی میل کی　　سناتا ہوں وہ نظم میں دل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے　　نہ سمجھے جو کوئی سرا یہ دم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ　　نہ مانے جو الو کی دم فاختہ
مدار دو جہاں ہم چو من دیگرے　　نعم استر کم وہ والش جرے
سان الف را جو سرد چشم　　تلا را نہ دورم مٹر بر کشم
نگیرم جو در چنگ یک گرد داؤ　　گریزاں شود مولوی کھا کے لوکا
نگر از معنی چو من مسلسلم　　چرا پس نہ مند مسلسلہ مسلسلم
مرے سلسلے میں یہ بات ہے　　کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

یہ چھوٹا کھالسے میں شیخ جی نے تبدل اسکا　　یہ حال اب کبھی یارو لیے بدل السوس ہے گویا
کرجا میں ہے بنا شکر کی تو سمجھا ہے خدا ٹھیکا　　مگر یاں شاعروں کو یہ تو ناموس ہیں گویا
دوائیں مان کی یہ اشعار میں اکسیر تھیں کل　　الٹا اشتہاری ہست حالسوس ہیں گویا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کڑا ڈھب ڈھیلوں کا ڈھب اچھا ہو ڈھب اڑ گیا

اب کہیے تو کیا بنیں یہ پاسی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید

کیوں شیخ مغل پٹھان نہ بنیں صاحب
حجام ہوں میر اور مراسی سید

کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں میں جب کہ گھر سید

مسٹر نہ بنے گا ان سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کاٹے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے

ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور باک بھی ہے

رشیا پہ منہ آنے میں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے

کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منہ پر تو ذرا دیکھیے کوئی ناک بھی ہے

جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
گز روس کے پشتہ کا قدم ناک میں ہے

گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منہ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لاقمر — اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوسکے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھر سے
بال صیاد کٹ گئے دھر سے

ساتھ جیتے نا رو بود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما تر سے

وہ خفا ہیں تو کیوں مناؤں میں
میری جوتی سے جوتی پہ گھر سے

بلبلیں باغ میں چہک اٹھیں
میرے نالوں کے دلنشیں سر سے

مر گیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پرسے

پڈی تو لٹ پتا گئی پڈا اڑ کے ہا — چلائی چیل پانی میں کوا اڑ کے ہا
چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیتری میں ڈاکیہ کوئی چیٹ پٹ سے آ رہا — صاحب بھی آتے جاتے ہیں کھٹ پٹ سے آ رہا
الجھا جولاہا بان میں او جھپٹ سے آ رہا — کوئی تو چیت گرا کوئی کروٹ سے آ رہا
بابو کہیں ڈھلک پڑا ماسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں — پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں
سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں — سالے سلج کی گتھو سی گئی لات لات میں
دولھا دولھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آ رہی — بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آ رہی
یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آ رہی — کبھی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آ رہی
باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش میں دور شراب تھا — ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا
بدمستوں میں جو شش شوق شباب تھا — پامال تھی حیا نہ خیال حجاب تھا
اسپر گرا جو غیرہ وہ مجھپر پھسل پڑا

پہلے تو بڑھ کے ساقی پر فن نے ٹانگ لی — بھاگا جو ادبدا کے تو برہمن نے ٹانگ لی
کیا رند میگسار کی چتون نے ٹانگ لی — پھر ہوش اور حواس کی ان بن نے ٹانگ لی
کل شیخ سیکدے میں مکر پھسل پڑا

شبرات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے — چل پھر کیسی روش کی ہے کیسی یہ دھوم ہے
حلوا پرا اٹھا پکا ہوا بالعموم ہے — جاری ہر اک سمت ادائے رسوم ہے
اس کھلبلی میں پڑھتے ہیں اطفال ہر گھڑی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی بھنسار ہولی کی جو بھیا ہمرے سُن پائن بلوا بھیج کے نوا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی خاطر سے دست ہمرا پکڑ کے لیگئے کا بیتر بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن
گلوری دان چاندی کا کہن بھجگا اسے لے آو دساوری پان بھی منگوایے کے بھوجی سے لگوائن
کچوری پوری - ربڑی آل موکھڑا اور برفی پیکو نے وہ بھوجی لوک ناتھن سے دمیں جکیا اسے منگوائن
گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھاوجی پتا پر بڑکیا اور پیڑیا گھوئیں اپنے خوب پکوائن
غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھئی ہمری ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن
بدل لشکا دو پہر بھوجی گا ول باری بلوائن ہمارے قریب ان ہجلا سے کے گانا خوب سنوائن
عبیر اور بکا سب لگا رہا بھر بھر کے کٹوریا میں ہمن بھی ہمرے گاؤں اور اپنو خوب بلوائن
منگائس دار دمہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کٹوریو پلوائن

دہت تیرے عشق کے آزار کی ایسی تیسی کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی
جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی
گھورنے کے لئے اچھے ہیں دکھانے کو ملیل یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی
سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے ایجانی تم بغل میں ہو تو زردار کی ایسی تیسی
بات کرتے ہی وہ چندیا پہ چپت دیتا ہے ایسے معشوق بداطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی اُٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مُردہ نہ بستر پر
لاغر ہوں میں اتنا کہ نکلی سے جو چیونٹی اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

....

جو پہلے تو پستاں پا لیتے ہیں — وہ دودھ پر کی ملائی آتار لیتے ہیں

حسن ہے کہ کالی جالی کی محرم پسند ہے — سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں ہے

سلمہ کے کھلے ہیں اس میں غرور کے — انگیا سونے کی چڑیا رکھ کا ٹوٹ کے

قدرت خدا کی دیکھئے پستان انار میں — یہ مدھ والے کا لگا ہے انار میں

جو اسیہ تو وے مسکرا کر — کہ پانچوں انگلیاں ہیں ستو گھی میں

جوں ترا سار ہے انگیا میں اس طرح — جس طرح ایک جو بچے کے اندر دیا ہے

سچ اور یہ اُن کے ہے عیاں حال — یہ بیڈھب دودھ میں مکھی پڑی ہے

یہ گھبراؤ ابھی مرغ سحر سے — چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے

یہ کیوں ہو کم سنوں کی ترے بندائیں دیت — مزا دیتا ہے جب بالی تلک کی عمر میں

ہے شب وصل لو او آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہم نے شب وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو وہ درگت کسی متوالی کی — گو مسلماں ہوں لو پدیتا ہوں حصے کالی کی

تم کو لازم ہے یکہ ٹھہرو اب میرا — ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

جو کروایا اب تو مت کروا — مجھکو رسوا نہ کوچہ و بازار

حکم ہو وے تو آج مردوں میں — کھینچ کر بیٹھیں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں — تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا

جو بکڑا حضور سے سرہم — غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں جھکتے ہو جب تیرا لبا ہو — ہاتھ گردن میں پیار سے آ کر

جی میں آتا ہے کہ رکھ دوں کے — عطر کا پھاہا لگا کر کان میں

ہوئی خالی نہ جانے پیٹے بھائی — سمجھ کا ہے یہ مال جم ہے کائی

ایک گھونسہ ایک مکا ایک جوتہ ایک لات — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

لے موئے میاں وصف تمسی موٹی کمر کا — ہاتھی کی کمر پہ قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں — جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پر رکھ کے مرا چاک لے چلے — دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھکر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا — رنڈیاں مرگئیں بھڑووں کا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری — بہت سی کھا گئے روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری — بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری

کہ از بوئے دلاویز تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خانداں اپنا — تری الفت سے باز آئے اٹھالے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے

ابے لوا اے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر — کام ہے مجھکو شتابی آ ذرا سینے تو لگ

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ جا اتارا — جب سے کہ کی ہے کندی تڑپے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے مٹکا کے چشم و ابرو — دل چاک کردیا ہے پھرتا ہوں لوٹا لوٹا

گڑرن کی چھوکری سے میں نے کہا نہ بکری — کمری کیا محبت یہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل — تل پہ تل خون جگر پینا ہوا

تا ت تم تو سنگدل ہو ص صبر کیسے آئے — ج چ ح چاہ میں تمہاری ڈ ڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریں ایک ایک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

سو بوسے گر دیئے ہیں تو دس اور دیجئے — تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

دھمکا کے بوسہ لیجئے رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

سمجھکر طالب بوسہ بگڑ کر بولے دربان سے — یہ کیوں آتا ہے کہدو کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ گل عارض کا لیا — میں حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

ادی ملاہوت کھرے ہو دراحت بھی ٹیٹ مال ہمری رو دیا ہے ٹودن لاگن
ہم کہا کاکر ہو تولیں جو بیتی بیتم
گوٹ لہنگا میں گرسٹے کی لگاتی بیتم
دس روپیہ رہیں لس ٹیٹ میں ہم کھولیا
اور کہا لٹو پران آج سیاؤ لہنگا
پھر کہا ان تے کہ اعوجہ بلیسا تم کا
دلیں ہم کا حیس یہ حال تو جاے دیدیا
سُی کے یو آکس تو آنکھن مال تک مرکے
ہم مدا گھوڑے پہ اسوار ہوئے گھر گئے

متفرقات لا اعلم

دختر کوتوال ظالم ہے
بیگسا ہوں کو ملا نمک دیتی ہے
انگوٹھی تو یوں مت پائی ہوگی
ساروں کو حت نمک کھائی ہوگی
کہاروں کی ایک تھی ایں اسکو پکڑا تھا
وہ اسکو دیکھ تولی سر کی اتارلیگی
مالن کی تھی وہ بیٹی پیچھے تھی آئی بیٹھی
سویا تھا پاس آسکے جو جاہتی سولیتی
دھوبن کی دوستی ہے مل گھاٹ گھاٹ ہے
لیسکے کو جانتا ہوں کہ جو تمکا پاٹ ہے
دم دیکے دم کہلے لیا اسم کو دیکھیے
دو آپ پیسے دیکھئے اور ہمکو دیکھیے
وہ ہجر میں تمہارے یہ بیہ بیٹھ گیا کہ
م م مدتیں گزر گئیں نہ پپ پاس تم آئے

س س سر سکے پہ بیٹر پر ق ق قمریاں ق ق قوں کریں
پ پ پادشہ کے مزار پر ر ر رنڈیاں ر ر روں کریں

یہ میری چیر ہے کیوں دل تمیں بیچ دیتا
تمہارے باپ کی ہے جان تلا میری
یہ دختر رز حرام زادی مردار
مینا بازار کی ہے رہنے والی

میکوا پھیر کے منھ ہمری تر پھر دیکھنے لاگ   ہم کہا ہمری بیہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھہ آپن تو الاگت بار کے اور لاے کے آگ   جا کر ہیا ہیں چو کا نڈل کا ملہ بھوب بجنے ساگ

ہم جیت انکا کوئی بات کی تکلیف نہ ہوے
ان کی دیدی سے نہ ڈر دیدی کوئی چینہہ نہ ہوے

سانجھ تو ہوے گئی اب جاے کے کریں اشنان   آگے تنٹا ہے یہی ہم کا بنت ہیں اوسان
آج کر من مان تو پوری کی لکھت ہیں بھگوان   سیر آٹھ ایا بہن کا ٹر دے لے تھیلا سے پسان

ہم اور توری وی منئی بھیک سے کم ہوئے جیسے
پت پیاوے کے لیے اتنی رکم ہوے جیسے

بانٹ بھر ساتھ کے منہین کا دیا ہم جیٹھا   اور کہا گاؤں ماں تم جاے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر تے باگ ماں بندھوا ے دیہا   آپ کوئیاں پہ گیئن جاے کے نہا وا دھووا

بسترے پر جو پھرے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دولوں جنے بیٹھ کے کھا وا بیرا

میکوا اتنے میں چوکا سے کہس ہمسے پکار   آئے بھوجن کر دھٹا کر ہے رسوئیں تیار
ہمتو چوکا ماں گئے اور دیہا پنکھیں کا اتار   گوڑ کا دھوسے کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکوا پرس وہس ساگ و پوری جھٹ سے
ایک گھنٹے میں تو سر میٹ گئی سب سٹ سے

پھر تو چوکا سے بھئن جھاڑ کے چوتر باہر   بیٹ پر پھیر کے ہاتھن کا ڈکارن ارار
پال ماں جاسے کے اڑاین تنی سٹاسٹ نریر   گوڑ موپھیلاے کے پھر لوٹھ رہن پلکا پر

اوی کہن آے کے لیٹ جو بنے سوے رہی
ڑھلو ٹھڈ کر دہم بھی تنی سوی رہی

بھوڑ پائن تو گرے لاگ کے پھر سوے رہن   پھر تو اس سوئین کہ دونوں نے جگاے جاگن

اُن کے بھیس کا مُکھوس چکھے ما اُن کا

ہم تلاسے سے بھرِن اگ ہں بلکا یارا   تا ترادی تھیل تھیلی کا تمک سلوادا
پاس پتھال کے اورسے یہ ہم کھالاوا   تم تو گمیاں ماں مواکھوں کرت ہر دکھاوا
ہم کہا اُنسے کہن انکھوسے نگی یہ کرد
میکوا کاہے کہن ہیسکے دہنگی یہ کرد

دوس تریت گوا ہکا ہوئین ماتن ہات   جب گئے سورج اٹھے اور نمک آئی رات
ہم کہا اُن سے کہ ہمتو ہیں اس گھر کا ماس   بولی رہ جینے کی کچھ ہوت ہمیں ہے لیکات
اس یہ تم بھی بہک کے دُکاچو جاکے جاؤ
ہمکا کے اس کا کرییے جات ہو تو مار کے جاؤ

اُن کی اکھین سے لگے آنس بہے جب بھر بھر   پھر تو تھاسے یہ تھا جو کا سو سادھو کر
ہم کہا رہ دور ہوا مار ہت ہے پھر پھر   ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ کہے کت بھر بھر
ہو سکت اس تو ہے اوچیرے جاو کیسے
ہن کیسے کے تہرے بھلا گوٹا اٹھاوت کیسے

پھر تو اس دیکھو گئین بیٹھ ماں مکا مارن   اُٹھ کے یکا یک گئیں پال ماں دیا مارن
ہاتھ کے ہیسے انگوچھے کا کچھوا جھارن   اور اس وتن کی مہاکا والے ہم پرڈارن
ہم کہا اُن تے کبھو کام یہ ایسا دیکھیو
گھر ج آپن یہ کبھو ساتھو ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج یہاں کاہے کا آوا کریو   اور پھر روج یہ تم آئے کے کھاوا کریو
ہم تو جانتے ہیں کبھو مسو یہ دکھاوا کریو   میٹھو لس تم ہی تکوا اس بچاوا کریو
میکو اپیڑ تلے جائے کے چوکا دیدی
دیدی کھٹیا ترے جیلا میں تو ادکا دیدی

دھر کے موڑ سے پہ چمکدار پٹریا نکسن
جیسے تنجا تہے پھن کاڑھ کے کریا نکسن
کالھو دوئی کوس پہ ان کا جو سناسب مکام
جیواں آداکہ کرن جائے صاحب کا سلام
چڑھ کے گھوڑے پر ٹے ٹھاٹھ سے تھامن جو لگام
گھوڑ کس ہنگ بھرس کا کہی ہم تے کا نام
پاؤں دھر دین رکابن ماں جو تھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے
ایک بگیا ماں پڑی پال رہی کھس بورتا
بیٹھی اوہاں رہی اک کامنی سندر مورت
ناب اب کا کہی لہو رام سہا اس ٹھل صورت
ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہم کا گھورت
دھر کے کس پینچ دھسا ہم اکر بجن جیسے
میکوا کا ہے یہی ہے ناکھت ہن جیسے
پھر کہاں تاب رہی گھوڑ تنے کودن جھم سے
من ماں یہ سوچ کھوا کیسے ملن جا جم سے
ہائے ویدی کہا اور بھوئیں ماں گرن بس دھم سے
ہوئے گئیں گست تجب بوڑ گوا جیو گم سے
میکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبراوا
بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کو ہے مرجھا آوا
ہمری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر
دوڑے گھر راج مہا پال بھون بلبھدر
گوڑ سینچس کو تو اور کوؤ سنگھاوا انتر
اور کوؤ یہ کہس چیت ماں آو ٹھاکر
ہم ہدا کہ وہ جتن سے نہ جگائے جاگن
گرپڑا وا جو بہت پیٹ تلائے بھاگن
ہم تلائے جو گئن تب تو وہ پیچل بدکھاد
میکوا تے یہ کہس کاہے رے باری ات آد
پال تے کھینچ کے پلکا تنی باہر تو بچھاد
تو ہرے ٹھاکر کا تو ہم بوجھ گئن سب بھیناد
یہی پلکا پہ جب اہیں تو بھٹائے با اُنکا

حرف لام

لاا علم - اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپکو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپکے کمالات کا معترف ہے آپکے چند شعر درج کرتا ہوں سب سے پہلے ایک واکوسٹ (واسوخت) سنئے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس طور گی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں -

کاکہی کھوالا کے کار کست چیت رہے ۔۔۔ گاؤں ماں جانے کے کنکوت کھیت رہے
آپ بیٹھ ہم اسا پن کا سدا دس لیے ۔۔۔ لیے مہتوں سے بحر چیٹھ بھی سلامت ہے

کاہے جرجاسے کریع اب نہ تما کو ہوسکے
نیمہ کی چھو کہہ ماں ہم بیٹھے ہیں الوہمے کے

جو کہی تہتے وہی ست گھو دھر جا ئیو ۔۔۔ ہمکا مسی نہ کھو مئی کا ماکھسہ جائیو
تمکا تائت کیا آپی تم اپن گھر جا ئیو ۔۔۔ اس کہیو کام نہ اب کہیے کا لو کر جائیو

کھرچ کی اور سے تنگی نہ دیہو تم انکا
تمکا سوپت ہے رکھیو چمیں سے گھگرا تنکا

نیو تو بیا کل ہے ست کا کہی اس اپی کتھا ۔۔۔ پیست تو ہوت مہاروگ ہے لس مہی کا
لعیہ تُر پرواماں جھوون تے سا ماحتکا ۔۔۔ کھوب بالن ماں بلا تیل کا علیمس ایچا

حرف ا گاف فارسی

گرم ۔ مظفر علی خاں نام تھا رامپور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے ۔ ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہے ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو ۔

جان عاشق کبھی پیچھے نہ لگائے ہیتم ۔ آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام ۔ شیخ احسان علی نام تھا باپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے تخلص صاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا ۔ اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا ۔ مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ۔ شیخ صاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا ۔ شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہنچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اس جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے ۔ کیا آپ نے

جب سے ہوئے قلندر لودھ چاندنی کی گھٹائی — حسن حور نے دیکھا اسے حیرت چھائی

یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں یہیں ہیں — فرہاد اور مجنوں دلوں میں چھائی ہماری

کل بزم میں کچھ آپ نے کس طرح رکھائی — جب ہم کو چین آیا جب نے کے کیسر کھائی

چھا رہ گئے ہیں معرکے میں لیلی کھائی ہیں — اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھوائی نہیں

سب شہر میں تمہارے مارے ہیں عاشقوں کے — بلی کی میاؤں میاؤں کو دل کی تھاؤں تھاؤں

گڑھ میں ملا کے تجھکو وہ بہرے رہے ہیں — لے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھوسٹا۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے ان کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے یا ہیں۔ بہرحال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا یہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے۔ مگر ناکام رہا۔ البتہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے نہیں تھے۔ بہرحال یہ تخلص ہے اور یہ ان کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہائے کچھ بن چارپائی کھڑی ہے چپ — آج وہ آواز چرخ چوں نہیں

ہم یہ کہتے تھے کہ ہرگز ان کو نہ چھیڑ — لے کے کھانے کا کھڑی کھڑا جاتا رہا

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ — ترے قد سے میں ازمزم ہو گئے کلھڑیں نادیں ہم

ہوس سے آج خالی کوئی بے پیر انہیں ملتا — وہ کیلا ڈھونڈھتا ہے اب جسے کھیرا نہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا — وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیرا نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر — خدائی فوجداری کر رہے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل — اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو — کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیاں ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں — پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا ہے مجھے بس میں — دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے — چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا — اڑتا ہے جب کبوتر پاموز آپ کا
دنیا نہائی چشمۂ فیض کرم میں آہ — میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کودن۔ عبدالعلیم نام تھا۔ سنہ میں جب راقم الحروف گڈھ مکٹیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی مالک رضا صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورۂ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اوائل میں نہایت شوخ طبع رنگین مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا شغل تھا۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی طرحی مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے ماہر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جس نے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوئے۔ اسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لا علاج ہے اب گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور زندگی گزار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں۔ روز شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم غلط کر کے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲-۳۳ سال ہوگی۔

تمہاری طرز البابی کا کیا کہنا ہے لیکن   سے پھرتے ہو جھلا سے ہو کہیں ہیں اہل بستی کے

الٹی سطح نکلے گی آخر وصل کی حسرت   وہاں تاک میں ہے اور یہاں لب تک آ گیا دم

خون عفت کا ہوا شیشہ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیر سے ملنے کا نتیجا دیکھا
چوما چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے نکٹا کر دیا
جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی بحارہ

کمترین - ان کا نام معلوم نہ ہو سکا - میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے - مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے - میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا - اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا - میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اُسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا - کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں -

نو خصم گن کر مشلچن نے کئے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیئے
پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی
یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے راتوں میں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر کے راتوں میں
دیکھو پکوان والی کی مزاخیں — خصم کے روبرو دیتی ہی شاخیں
تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے بیر ہمکو دوگے نازک بدن پیارے

کمن - ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیور میں بھنگ گھونٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کردی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی - ایک شعر اس کا ملتا ہے -

اے بوا میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موے شمر کو بس کھیر کے ساتھ

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلیں گا تیرے سنگ — اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پہ جھم آئے بال — ہو گیا ختم اُن کا حسن و جمال
رکھ کے موٹا سا دوش پر ڈنڈا — میر کشمیر چلدیئے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں — بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں — وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا — شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی بات کری — جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہے نہ چوزہ ہے نہ انڈا ہے — کھلا ہے ماس ہے ہی کہاں سے ڈھابا چاہیے چاہے

نہ لیٹو کھڑے کر کے گھٹنے مری جاں — کہ اُدھڑی ہوئی ہے میانی تمھاری

ذرا میر کشمیر پگڑی سنبھالو — کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انہیں چھیننے سے دیا — جب ذرا آنکھ لگی اک میں نے بتی کری
وصل کی رات بھی شوخی نے وہ باز آئے — پیستے پیستے کشمیر کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر — شیخ کی داڑھی ادھ پچ کر رہ گئی
عشق میں صورت تمہارے کشمیر کی — گھٹتے گھٹتے مثلِ بدر رہ گئی

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے — باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً — اُس نے جب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے — میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی — پھر لیچلا ہے دل اسی بیاں شکن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی — کچھ اس دلھن کے پاس ہے کچھ اُس اُنکے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جایئو — گز بھر کی اُس زبان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز — دی تھی اِسپیچ جو کل پارک میں مینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا — تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں — ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے — آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا انٹر کا پیٹ — اندھے سے کام ہے انہیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں — انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا — کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مڑوڑے ہاتھ دشمن نے یہانتک — کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ اُنکو — چرا کر لے گئے آئے پاندان تک

کہتے ہیں تب وصل تو رہیلی ادا سے — لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمربند

بہت ستاتے ہیں وہ بوسے کی دو ٹکے — کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار گھمنڈ
کثیر ہمکو ابھی تمنا یہ باد ہے — اس شہسوار کو جو ہے رہوار گھمنڈ

چھپے کس طرح آ کے وہ میرے گھر — نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر — کہ چڑھ جائے ہتے کوئی سیم بر
گئے مر کثیر جب اُن کے گھر — مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل تو رقیب — ملا پورے کی طویلے سے سر
حسینوں کے بوسے ملے سیر بھر — اسی پر وہ کرتے ہیں ایسی گزر
مرے سے گزرتی ہے قلاش کی — نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مرا تیرے بوسے میں آلو کا ہے — نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈی لوں کو دیا — کہ اک میم کثیر ڈالی ہے گھر

ملاپ قسمت سے خوب جوڑا مسٹر تیری مراکو تر — یا تعلق بیاہ ہے رشتہ مسٹر تیری مراکو تر
ابھی تو مل جدا ہیں کس ابھی سے سرم دکھاتے ہیں — مگر ملاپ کرینگے پیدا مسٹر تیری مراکو تر
یہ اسکی پیاری ہو وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا — وہ آل مجنوں یہ شان لیلی مسٹر تیری مراکو تر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز — رم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی ادھر ہیں ہم کبھی پیچھے — جب ہیں دہر کے نغمے قرار
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا — نظر آیا جو وہ سب طنار

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ
کہ ستاتا ہی ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی آنے گھونگھٹ
بھتنیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چپٹ چپٹ
جل رہے ہیں تپش عشق سے لاکھوں عاشق
یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر
کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج
نام معشوق کا رکھا ہے میاں پرجاپٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا
ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی
پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق
کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج
بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دیتا ہی جواب انکی دریدہ دہنی کا
کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر
لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چڑھے آتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح
بات کرنا ہی کرو دو رسے انساں کی طسرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھو
بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر
پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز کے فرماتے ہیں
کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہی دہقاں کیطرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا
جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نرہند
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں
جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

وعدۂ وصل کبھی یار کا پورا نہ ہوا
سو در گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ
یار کیا خوش جمال ہے میرا

میں نے بوسہ لیا تو روٹھ کے بولا
تم بھی چومو یہ گال ہے میرا

اس کو میں نے چھوا تو بولا غیر
اے میاں اسے یہ مال ہے میرا

اس کو لڑوا دیا رقیبوں سے
اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا

سب عمیری چپاتیاں میری
پر یہ اک شیرمال ہے میرا

دیکھ پر دیس کو وہ یہ کہتے ہیں
منہ کا تھوکا اگال ہے میرا

ایک دل کا دکھڑا ہے یہ ایک نکلا ادا
اک رقیب روسیہ نے مجھ سے آکر یہ کہا

کون سا میں نے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے
وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا

کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدنما
کوئی بتلاتا ہے الو کوئی کہتا ہے گدھا

کوئی بتلاتا ہے عمدا کوئی کہتا ہے لیل
کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا

کسکو کیا میں نے کہا ہے کس سے کیا کسکے خلاف
کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا

میں یہ بولا میں تو سب اچھائیاں تم میں مگر
بات اتنی ہے کہ ہو سو [illegible] کے

کچھ خبر بھی ہے تجھے او ستم نواب
غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب

یہ جوانمردگی تو اس کی دیکھیے
خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی بکرے کی چڑھائی کبھی بکرہ کی
وصل کی رات ہی یا تیج مہما کی رات

لیں ملا میں کبھی سری تو کبھی تندونکی
لیلۃ الوصل ہی یا [illegible] کی رات

کالی بوتل سے پلادے جلد اک جام شراب
کیوں خبر لینا بجولی ہی مجھے حساد کی

گنڈیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا
پائجامہ کی وضع تمنے نئی ایجاد کی

اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو
چھوڑ دینا اب پرستش اس بغض بے بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تا انیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشنیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدون نہیں کیا۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہر حال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے
پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا

ٹھنٹاتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح
موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا

توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن
کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا

بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز
ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا
یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا

اب خدا جانے دکھے ملتے تھے کہ دل کے ٹکڑے
جو تیوں سے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا — چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار برہمن کے قشقہ کھینچا — لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے — جو کچھ کہے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جاکر — آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں — احوال کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیا — یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بولا — سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمہارا — تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمہارے گھر پر — دولت لگے اُسکے ساتھ آنے
پر کھا مری بات کو وہ چالاک — معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر — بھیجا ہے تجھے آج نے حیلے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو شد — جی مفت بچا لیا خدا نے
جیتا نہ اگر وہ مجھکو قاتل — تو آج گئی تھی جان ٹھکانے
یہ بیچ کی باتیں ہیں سے کیا لے — کیوں لہر میں آئے ہو دوانے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے محض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کنٹر سعید محمود۔ اردو پنج سال کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالے استاد کی — ایک کبھی سے جرے اس دل ناشاد کی

بہت ہنسنے ایک رباعی بطورِ نمونہ کلام درج کرتا ہوں -

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی　　زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر　　یہ دخترِ رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافرک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گرنبانش دست برد　　پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ تبرد زود دستہائے پدر　　بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبرآبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے۔

میں کہا پاس تو آ میرے تو لے ماہ جبیں　　تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبتِ چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں　　ہنس کے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں

میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور　　میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت بولی کوئی شاہد لا　　میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طبیعت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوے بتانی — کہ غیر از یار با کس نہ دلند

میانِ من و او مری است پنہاں — کہ واللہ کر استر میچراند

کافر ٹکیہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ امرا میں میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹکیہ ہے چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکیہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے پھر اسکو چھوڑ کر جنوں کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو یہ سنکر

لنڈن سے ہوکے ہند میں جب آنے مانگتا — ہم جورو لوگ گاڑی میں ہٹھلانے مانگتا

ہم مانگتا سگار ولایت کا سیگرٹ — اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا

ہم دیسی حقہ دیکھ لیا گسہ کرلیا — یہ فول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا

کھانے کا کپڑا ڈالنا نیچے نہیں پسند — کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگتا

مت بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے — صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگتا

گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھجول ہے — ٹمبلر میں شام ہین کو پلوانے مانگتا

مثلب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں — ہم گھوڑا گاڑی کرنے فکٹ جانے مانگتا

مسٹر فلپ جو آتا تو کھش ہوتا ہم بہت — جب باپ ملنے آئے تو سرمانے مانگتا

ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں پھجول — صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا

کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کھراب — جب ڈیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگتا

جاہل پہننے مانگتا پاجامہ لوگ کو — ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا

سر پہ نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم — ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا

پیتا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوکوف لوگ — ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگتا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ویل ہاف صاحب لو لڈیا کھوب یہ گجل — سب لیڈی لوگ باجے پہ یہ گانے مانگتا

وہ ور بھی تو میری ہیں جرتی ہوں پیاسے — بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں جا کے کیا کروں
پیر اسے مری جو مرے گھر آئے وہ — طوطے چشم ہیں دو دیکھتا کے کیا کروں

قُقَنُس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال عدیل الرجال ساحر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معتمد الدولہ بصنعت کہ بحر تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اس افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جس میں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر ہیں کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

قتل قطلان وقلام قاطرتاد — تقیل قام قلاعد قروم دال قیم
قریم قدع قرام قرعقم قروش — معقمق قریقم قریتم قالیم
مقور قودید قند رپچ والل قیق — قروق قامرق قا قلان قوغ قیم
لقوق مقمقہ ماقلان موق مقاق — مقیر مغلسہ مقمساق ما قلقیم
تمام قمقمہ قند شیں تو قل قیر — حقوش قعت تلا قوق تقش حقلیم

قمر۔ یا خان۔ یا ہاف۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں۔ قمر یا خان صاحب۔ یا ہاف صاحب۔ بہرحال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

رہنے رام جبکا کام تھا کافر کا ماننا — دو آج مالتے ہیں تنیا الم کسم

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم
بیقدر کریں ہم کو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ سمجھے سجدہ
محراب جو خم نہ ہو برلئے تعظیم

گندمی رنگ ہے، جو دنیا میں
میری چھاتی یہ مونگ دلتا ہو
کبھی ڈکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو
بٹ ستبنگ کیا تونے اے میاں مجھکو
قایم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نباہنے اور اسم بامسمی ہونے ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی
جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھلا آیا ہو

کس نگوڑی کلموہی نے بدعادی تھی اُسے
شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اب نہ پر لوا
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں
بیٹھکر ٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا
مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم
بیسوں خون جلا کر جو کھلائے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور
کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتی ہیں یوں لوا
اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں
مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو چھڑا دوں کسیطرح
قرق اک ہانڈی کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

بیر گفاد و واللہ م علوم است این	گگر ادم من سجارہ نماد ر الکس
وہ بھادد وہ شادد بلاتس ول	گہ گرگنگ دل ل لالم بیلاق رمن
مم من ہم گنگ گگم مم مثل تات تو	تو توتو ہم گ گ گنگی ہم مثل م حسن

قایم۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہر حال چاندپور مدینہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے اول میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ بہت قادرالکلام اور پرگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ بعض طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی سر کھپتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ ہجو تک نوبت پہونچی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالامال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ معقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زمانہ باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور اُن کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہاں آباد بسر بردہ بنابراں محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔ اُن کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ اُن کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوری نامہ عجیب چیز ہے۔

قاآنی ۔ حبیب نام تھا۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے ۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دور آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی ۔ کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے ۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا ۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس مسکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا ۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں ۔ بقیہ اشعار ان کی گلستان سے منتخب کرتا ہوں ۔

پیر کی لال سحرگاہ بہ طفل الکن ——— می شنیدم کہ بدیں نوع ہمی اند سخن

کای ز زلفت صصصبحم شششام تاریک ——— وای ز چہرت شششامم صصصبح روشن

تتتریاکیم واز شششہد لو للبت ——— صصصبر بیتتابم رررفت از تتتن

طفل گفتا ممن را تقلید مکن ——— گگگم سوز برو ہے ککمتر از زن

می خواہی ممشتے بہ بکلت بزنم ——— کہ بیفتد ممغزت ممیان ددہنا

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو تنزل کچھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہا چاہئے انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنو میاں کی دم جو چمکتی ہے رات کو　　سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے ہیں تالیاں

تمام دربار پھڑک اٹھا اور جگنو میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرے سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی ہم تک نہ پہنچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ قسیم مولوی عبدالکریم جان آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل رُپے سونا کو منگوا کر دیئے ٹکسال سے　　اسری حاکم کمونگی جا کے کمل لال سے

وہاں چھاتی ہے گدرائی یہو کیونکر یہاں کھٹکا　　　درخت بار ور میں ان دمتاہی بلغباں کھٹکا

فصاد - نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ" نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے ۔ چونکہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی　　　ہے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے ۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں ۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن کو کھی کی مٹڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے ۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں ۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا تبنگڑ بنادیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے ۔ کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں ۔ تالیاں ۔ وغیرہ ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی ۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں ۔ انھوں نے ٹال دیا ۔ اور کچھ جواب نہ دیا ۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کرکے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسے کھایا ہے تیر مژگاں کا　　اس کے نزدیک تالس ہے بھالا

فدائے سخن - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اس باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیاں سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دہڑلے سے　　شوق ہے ہمکو گنبد تلے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو　　کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے　　کل ملے تھے جو اک محلّے سے
دیکھئے آج میر صاحب کو　　لوگ آئے ہیں باہر محلّے سے
غیر کو نہ یہاں بٹھائی جائیں　　ہم گئے گذرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی اچھی ہیں　　ایک عاشق مزاج چھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ　　آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد - تخلص مولوی وحید الدین خاں نام تھا۔ عبدالحق خاں عرف ڈھنگ ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

سر نہ آنگیا کے ۔ نہ ہوا کبھی　　عمر بھر سدہ تو نامحرم رہا
سطح سینہ پہ ترے لے مرا جو تیر گیا　　ابھرا ابھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا

فتحی - نام فتح اللہ تھا - ہرات کے رہنے والے تھے - ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا - ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی -

اے مشفقیک چوں باتو پرداختہ ایم | با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
دو گوز ہمیزند تو میگوئی شعر | اورا بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا - مولوی عبد الوحید نام ہے - گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے - مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں - نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں - کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں - فدا صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی - سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی نیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا | مقابل بوٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ دوا چھا نہ دو اچھا نہ دو لاکھا تے کیڑا تو | مرے ٹیپو کو کیا ٹکر ا میسر ہو نہیں سکتا

فدا - سید محمد علی نام تھا - مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے - لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے - سپاہی پیشہ خوش اختلاط

غیاث الملک - افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا - اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بیز خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی - جو مرزا غالب کی غزل پر کہی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے - مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان عجیب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں - اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا دار بند ہو گئی ہو گی اور ع تراکشیدہ دولت از قلم کشید خدا - والا معاملہ پیش آیا ہو گا - بہر صورت غزل یہ ہے -

شب چراغ عقل تصدیع خم فانوس تھا | کسوت شمع کاخ غیرت فانوس تھا
نائر آور شمیس غرفش ناقوس تھا | لائح لامع لعوق زاہد سالوس تھا
ژندر و شیخ تیغ آسودہ نامیس تھا | زورق رو ما ہلاک تختہ کابوس تھا
نبع لذاغ ایراد خلاغ عنت ریود | قسوت قرطاس قطاس قاموس تھا
قلقل صفرائے ترح کرد بیال | محبط مخروط کعب شمسہ قابوس تھا
مزمل نخاس کوس حلیہ نفاس جوع | قلع زنگار قسط قصر کیگاوس تھا
شحنہ جوع البقر حجم مغاک قعر صفر | صفرہ نعت نفوس نیر ناؤس تھا
نخلع کلاغ خشن نزیل کرعنا المبید | بیسر مس ملیتن قطرب جاسوس تھا
صفرت نقرس قاع خاط فاق لیف خد | مجلس قطبی نضال نفخ لطلیموس تھا
حرقت محروق قسطاس غزق حافی برد | شیدن نشیج خل گوزم گنجوس تھا
سویت ناسوت سود فلسطین مستقیم | سوسمار سودسنباب طائر محبوس تھا
سندباد توسن نجاب سنوات رقود | سم سلجوق حمار قطر جالینوس تھا
لخلخہ لحن نکلیا قرمز ہنجا روف | فصمہ قسر تمی خمار غبت طاوس تھا

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

جدت کا جسمیں دخل نہ ہو چھوڑیے وہ کام
گھوڑے کے منھ میں بھی ہو دم میں ہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکر سے ہو سلام
اس منھ سے اب بولتے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑیئے
عینک سے کام لیجئے آنکھوں کو پھوڑ لیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا - منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے - شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے - ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے -

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو
کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرت کو
جمع کر کیا اجاڑ ڈالو گے

علی - قلچماق - اوباش اصفہان کا سربرآوردہ شخص تھا - اسی مذاق کے شعر کہتا تھا - ایک شعر یہ ہے -

تعلیم بچہ یرد بیت گر ہوس بود
برخیز و سر بیا سے علی قلچماق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا - کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں -

دست دیا میر بد عدو در راں　　ہجو پڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں ۔ عمدہ شعر کہتے ہیں غزلیات بھی شایستہ ہوتی ہے ۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی ہوا　　بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب

شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب　　اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب

پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب　　کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب

اتنا میاں ان کو ہمیں لے انقلاب　　اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب

پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے حق جیا ک نہ چھپایا　　غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے

جلکے بولی لے میاں اب بات کا افسوس کیا　　تم بھی سمجھو کہ وہ اک آلہ دیدار ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈائیے　　داڑھی کی گھاس پھوس کو کاٹ کر جلائیے

ٹھٹے کی کھلی کھائیے دہمکی اڑائیے　　القصہ ہر طرح بھی ہو فیشن سائیے

جو بات اس میں ہے اس عوان میں نہ ہو

اک یا تجہ بھی آگے کو پتلون میں رہے

چھوڑی ہے اسی وضع ہر بات چھوڑیئے　　مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منہ کو موڑیئے

ہونٹے ہیں جیسے ہاتھ تو آنکھیں پھوڑیئے　　ہونٹوں کی طرح کھائیے دانتوں کو توڑیئے

یکیں معمول جیسے ہیں انکو بھی موڑیئے

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما   مگر کچھ پاس ہے مجھکو نِگوڑے بوڑھے کی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے   میں ڈرتی ہوں لو اب پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر میں گھر سے دن دہاڑے آتی ہوں ورنہ   کسی نے آجتک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا - عطا اللہ نام تھا عطا تخلص تھا - عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے - دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے - اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے - اور تمام وضع قطع وہی تھی - ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹکا ہوا نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں - کرتے کا دامن بہت نیچا اوسپر بیل لگی ہوئی - ڈاڑھی چڑھی ہوا اس موچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال - انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا - میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی - نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے - ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کردیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے - اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا -

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اسپر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا - بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے - شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی - کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا - بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگزشت من این است - بادشاہ نے یہی وعدہ وفا کیا - ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے - میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباشش وضع لکھا ہے، نمونۂ کلام یہ ہے -

اے دربرد حسن تو کشتہ بہ چار چشم   زیر مژدہ نہفتہ چو آہو بہ چار چشم
بر فلک شب نمی طپد انجم   دل رستم ز سہم می دھڑکد

مگر ستے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کیجیے۔

کیوں لے اوسکتے چلا تھا کیا یہ ٹھکرا کو　　کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مڑ کا کو

عشاق۔ ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سر خط سے اور ہوا حسن یار کا　　آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا اہلد کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جس کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت پوا انچ جاؤ میں　　ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے میں پا ؤں میں

مجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جل جل کر　　موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

حسین کمی نہیں کتنے کمی ہیں مگر کچھ جوش ہوتے ہیں　　پیا تک گئے ہیں عشرت یہ کال کے پھانوں میں

عصمت۔ تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے درنہ تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سن لا میں دیکھ چکی منھ ہر اک کے　　بیٹھے گی کس طور سے پردہ ایک یار کے

بی تمہارے کیوں کنوار پنے میں جلے پان　　موتی سے دانت ہیں گئے دانے انار کے

نرگس کی عیوض کی کا دیدہ ہو لائی ہے　　کندن کو سا لا دیا یا گھما آتا ر کے

یہ تو اے بوا اچھا نہیں مرد کی صحبت کا　　کھلے گا تو جیسے یہ گل ہی عیش عشرت کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ　　وہ کھانے والا ہے روٹی سڑی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لیئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عربا - میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیواں پرستی جان من - من اسپ داشتم نیستم　　پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز - سید قلندر کاشی کا تخلص ہے - شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم　　بحمد اللہ نمردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی　　بر و بابا ستر دیدی ندیدی

عکس - بدرالدین نام تھا - مٹیا محل دلی میں رہتے تھے - نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسپر آپ کی ہئیت کذائی اور بھی نزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے - بدقسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا - اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے - نر - مادہ - استادہ تذکرۂ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے - ایک شعر ملتا ہے

چہرے کا خط ماہے اک دفتر | مونچھ داڑھی ہے صورت مشعل
سیہ کچی سے پھٹ گیا وہ بھی | تھا جو کمبل مرا کمائے شال
دود آہ، جگر نکلتا ہے | دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو سردی میں ہے سکوت کا | اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں | بیٹھ جائینگی مانگا امسال
دن کو چھتی ہے دھوپ سالکو اہا | ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں ہر دستور سے آئیں | اڑکے چھپر ہو چکیا بیال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر | ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسیٹر سے کچھ صدمہ ہو گیا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ دو ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

وکسیٹر ہے قوم کا حجام | نائیوں سے کرتا ہے
مارے جوتوں کے ہو گیا گنجا | جھڑ گئے سر کے موے عسر وکام
باندھتا ہے عمامۂ کامل | فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آکے سردی میں سگیا ہے ترتیب | باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو | ایسی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی | جس پہ عاشق ہوئے ہیں تیرے رام
اک دالوں کی رہ کے صحبت میں | تو بھی چلنے لگا قدم ستہ گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر | کرتا ہے اس سے در دشت کلام

اگر دعوی ہے کوسی میٹری کا | ہمارے آگے آئے ... کا
پڑے ہیں جوتے سر پر جھڑ گئے بال | یہی ہے مرد گھی کھو پڑی کا

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور ان کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مرادآباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجوگوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بمقام بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجو یہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا — عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے
دو رنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں — مونچھیں سفید ہوگئیں.... سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں — عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے — خشک روٹی و بن بگھاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری — دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو — چارپائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا — پانی پت سے گیا ہے نینی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے — مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں — دو توں تادوں کی اڑ گئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو — بال بھی سر کے ہوگئے ہیں وبال

کہا ایک ٹیپاسے بیگم نے ہنسکر | ترے لعل کے گھر کی ہیں عیار بیوی
یقیں کہ ہے لائق وعظ اسکی عصمت | گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی
طرحدار عیرو کی تعریف حسب ہے | رہے ساتھ شوہر کا بہار بیوی
مبارک مبارک ملا ٹالی سر سے | ہماری جو ہے میں گئے ہار بیوی
اگر سیلے ٹھیلے میں جائے دو بیدل | تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی
کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو | ملا ہے جہاں میں ہو بیکار بیوی
جہالت کا دریا سدا کل بیچ میں ہے | ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی
کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر | رہیگی ترے گھر پہ رہسار بیکا
نہیں نوکری ملتی جس مرد دوں کو | وہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی
ادھر تھک کے کاموں کو کیوں پی رہے ہیں | ادھر جام پی کر ہو سرشار بیکا
خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز | خبردار بیوی خبردار بیوی
میں عاشق ہوں سو کا لیکن تیری | ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی
نہ ایسا دانت کاٹو ساٹ دولس | ہے دکھا سے ہی تن دار بیوی
تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جوتے | ترے مہو لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی۔ یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بدکی ضلع نتیجہ میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے۔ جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں۔ تو ان کے والد ترک سکونت کرکے اس قصبہ میں آرہے۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بدکی میں ہوئی۔ مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو ضلع انبالہ چلے گئے۔ اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی۔

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہو گی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اور دھرپنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وھو ہذا۔

مرزا اودھ پنچا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعائے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک لبکھیڑا پیرا ناپختہ ڈیلا قوال ہاتھ میں سنہری سہانی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستار لئے معہ اک بظاہر مرد طرحدار کے جو نی نغمہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہو گئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ یا جامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہو گئی اب اس قوال و زن چھبیلہ نے یوں الاپتے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزلیہ

شرافت تو ہر گئی ہے بدکار بیوی — بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگادے وہیں جوتیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابرو پر میاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنیئے — نہ پابند شوہر ہو نہ ہنجار بیوی

یہ شعر کیوں کہے بھول گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی ہجو میں کہے ہیں خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو دو تین پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت اصرار ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گذری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بہ عیش خوش خورد از پئے ملائے قرض ہر کس بہ عیش تعلیے و ما در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عمرم چو کرم پیشہ گدایاں نماندست از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نکند مر عبید را مسکین چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ اشعار زیادہ تر فحشیات تک پہنچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیک چوں تو پیدا شدہ ایم ما اشتر خود ترا قرین ساختہ ایم
او گور نمیرد تو نمیگوئی شعر اما تو در بدیہہ انداختہ ایم

فوقی۔ گیلان کے رہنے والے نصیر الدین نام تھا امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبۂ بیوفاست | ترا از چنیں قحبۂ ننگ نیست
فراخی دگر را بخواہ | خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی و ہجا گو عبید زاکانی | مقرراست بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستازادست | ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہنچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہنچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر اُدھر اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دوادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک و احتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سُن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سُناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرستا | در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش | می برندم چو قدح دست بدستا

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ لیکن اسکی

تصویر کھینچی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے جسکا اتباع ملا دوپیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا۔ راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لمعات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا اچھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا اس وجہ سے لمعات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کردوں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتیں۔ ان کے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرا اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک پہنچنے دیا۔ یا یوں بھی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ سب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونۃً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن — کنگ آور و کنگری کن و کنگ زن

شاہ ابو اسحٰق انجو کے معتمد وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامی

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے + القلتبان - سسر + البکارت - اسم بامسمیٰ + الجلق - دستگیر مفلساں + المشرف - چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - جو رات کو ڈاکہ مارے اور دن کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل - حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب - تقریر کرنیوالا گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم - خوشامدی + الطبیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملک الموت - ساقی ریش دار + الہادم اللذات ماہ رمضان + الذوالقرنین - دو جوروں کا شوہر + بدبختا - بڈھی عورت کا جوان شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب - ہمسایہ + الریش - غریبوں کی دستاویز + الشیخ - ابلیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل + الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + البیا کی وشیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ + الہیچ وپوچ - شریفوں کا وجود + البیمغز - شرفا کے آداب وتہذیب - الغرور والحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا + النوجوان - بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی - صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم - طلاق ثلاثہ + الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدودے چند عاشقوں کی چہیتی + الپاکباز - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت کے پردہ میں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بدچلنیوں بد تماشیوں کی

عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبد الحلیم نامے تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گو لوگوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے چونکہ عاجز خود لیک اور اس مزاج رند لا ابالی تھے۔ اس لئے حافظ حلیم سے خوب ملتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونۂ ظرافت مل سکا۔

دل لعل مارے لئے جاتے ہیں سکت کے طعل   تج سعدی تم بھی الیکر گلستان دوڑیو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ نظام الدین عبید اللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابو اسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد زاکان میں آئے اور عہد قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انہیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی اسی حالت میں عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک نئے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونے کے طور پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں"

الدالم سیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + المسکین ملک الامراد۔ طالب علم + المحتسب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + العطار

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں ‏ زشمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے

طبیب از علم طب دریا دمیدار دہمیں معنی ‏ نباشد خوب تر از شربت دینار ذرانے

منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل ‏ زضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے

زبس عطار مشتاق است قوت لایموتی را ‏ بچشمش آش وناں آید چو بنویسند اشنانے

نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را ‏ کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے

چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کاتب ‏ رکلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے

محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر ‏ برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے

زحیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب ‏ نخواندم ہیچگہ لاتاکلوا در ہیچ قرآنے

دریں لشکر بیانم یار دم باخویش می سنجد ‏ نماندہ در دکان بقال را جز سنگ و میزانے

زگشربانی یکے پرسید اندر روز جہ ماند آیا ‏ بگفت احوال گرایں است بہر ساعتے آنے

صدائے ماتمے از خانۂ برخاست پرسیدم ‏ چہ شد گفتند دریں خانہ دارد گشتہ مہمانے

زجائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ ‏ کہ شخصے دید شب در واقعہ برآرد ابنانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے نعمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جن میں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

لله الحمد والمنۃ	گر او کند رحم بر لوح شاہ
رحم است دشوار آمرزگار	ندانم چہ شد حصہ ایں سپاہ
رطل مرد و مراۃ روح زوجہ	جدا گشتہ از کند گرسال و ماہ
ملک بادشاہ حد لشکر بود	بداں مصحف و خندہ بر قاہ و قاہ

چیست مقدار و بیہ کثرت احمر اشرفی	کیمیا ذکر شدن یک ہفتہ پیش لوکمن
فقر و فاقہ علیہ و عسرت مسوری آئطلر	اکہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ملتمع معدوم دیں ہر دو لطرلیف دستر	دانہ کاہ و دوا سد نفقہ در بدو وران
الثقیل والعلیظ کیے کہ در حق شکرات	الاجل حکم طبیباں للمرض احوال تن
لم یقع جیرح قلعہ لم یکن یعنی یورش	سہو سیہ لور بیہ لحو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر کس گفت الحمد گفتی	کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار مومن
ملعنی آنکس کہ بگوید حلا باشد ہمال	در حرابہ گر رود ہرگز بگوید ایں سخن
ما ولاوان ولیں چوں لم عروف مانی اند	میکند ایں عمل در دفتر کشی تن
من وعن ماوای احتی دی حرمیکند	لیک از تختے کہ کارا مید دیوان دکن
کان صار امع داسی اعمال باتعرابد	ہمچو تدبیرات وتقریرات در ملک دکن

دریں ملک حرام مرور کس را میسر ناید	چو گنج افتادہ اند ابلہ ہر در کنج ویرانے
بسر عدے رسد خلق را افراط باداری	کہ معنی ہم ندارد ایں رطل تر و سمدانے

زاں طرف نعتش نہ باشد زیر طرف خاستن — شرطہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین
گفت بہر من جہاز آوردۂ کاید بکار — گفت آرے ہم جہازش آوردہ ام ہم نکلتین
گفت خال الصبر مفتاح الفرج را ساکن است — کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین
گفت نے اِن شد جزم مشیم نیست شد مد خبر — در محالات است فتح الیاس احد الرتبتین
گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آمد حلول — ہست سریانی و طریانی بنا بر مذہبین
گفت تو شکل عروس اندر ہندسہ گر خواندہ — ضلع عمود آنی المثلث تماً تماً بالنقطتین
گفت من در انتظار ساعتم معذور دار — شمس طالع زہرہ راجع ماہ باید در بطین
از طبیبے ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت — از برودتہائے تو پیدا است ضعف کلیتین
ساخت زرعونی زخولنجان و جوز و زنجبیل — تو دری و دار فلفل عود قسط و بہمنین
گفت نے اینہا نمی آید بکار از من شنو — چارہ ات فصد و حبین کی صدغتین
جملہ ام را مدرسہ کردی تباہ خانہ خراب — ہم زباں آمد بدرد از گفتگو ہم لورتین
دخلہا در موشگافی کار ملازادہ است — تو بحث اللفظ واعظ گشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را — رہزن دین و دزد ایماں را
از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت — آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت
بملامت عتاب پیش گرفت — بر سرش زد بمے و ریش گرفت
کہ چہا میکنی تو اے مردود — شدہ از درگہ خدا مطرود
ہم دیگر چو شیخ برد بکار — شد از اں ضرب دست خود بیدار
چوں ترش ز خواب شیریں جست — دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

پانچ ہزار روپیہ موجیعہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے مدح گیب سادہ خاطر من | در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر حسد خریدی اساس کو رزمن | درمیت خریدلی برلی بر سر من

عالی کی ہجو اس کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُس کا جواب اُس کے معاصرین یا
یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سکڑوں ہجو گو اور
ہزال گزرے مگر نعمت خاں عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے
شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اس ہجووں کو متانت کے
لحاظ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت
سے ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ کلانڈ بھی ان کا
مقابل نہیں ہے وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام
نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں چنانچہ انکا
ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے
دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے قصیدہ دانوں کو تیرا دیا بلکہ اسپر پانی پھیر دیا
ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں
تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و
بلاغت کا خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کدخدا شد خان عالی منزلت | با کمال عز و تمکین با وقار و زیب و زین
مہر و در شد سعد گر کشادی رو دہد | میرسد بر تحفہ ارض جر نعال گشتین
را دراہے دیعر رسد تا شتہ ہر ساق عروس | ماند آہم چہاں رگر دیش ماند جا
نعمہ کسوت لسر افتاد و گر مقتہ جاز | قدرے من جام الملد ہمی آہیں
ان سماد حسن آمد اس سمدار اعتیا | این سخن ہم درمیاں آمد اسکا ترین سا

اے عمر صورت و عثمان سیرت — کہ ابوبکر نگہبان تو باد
روز محشر کہ بخود رسانی — پسر بوسفیان یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ ایں کہنہ قرم ساق بد انست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امرائے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور حکنم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑکر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی لکھکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

حرف عین

عالی - یعنی نعمت خان عالی شیرازی - ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا اور نعمت خان خطاب تھا - مگر - اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوے کہ اصل نام سے بیخبر ہو گئے ان کے والد کا نام فتح الدین تھا - جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے - میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوے اور یہیں نشو و نما پائی - مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے - مروجہ اور ضروری علوم رسمی وہیں حاصل کئے - شاعری کبھی وہیں شروع کی جس میں ملا تعیمائے یزدی کے شاگرد ہوے - جب شیراز سے واپس ہوے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر ان کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی - اور ۱۱۰۲ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوے اور نعمت خان خطاب عطا ہوا -

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے - اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ نہیں ہیں - مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے انکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے - عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے - اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے حمایت پکے تھے اسواسطے یہ ہمیشہ درپردہ ہجو کیا کرتے تھے عالمگیر کچھ ناسمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا - مگر نعمت خان کی لیاقت کا سکہ اتنا اس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا - چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا -

مجازی اڈیورڈ ہفتم کا - حال و قال رفارمروں کا - وہو ہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم
ما دہل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہرج گردد از نماز پنج وقت
ما امید از طاعت و چشم از صواب افگندہ ایم

از زکوۃ و حج صلوۃ و صوم فارغ گشتہ ایم
شاہد امرد رقص و افیوں در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر سید بہ آباد باشد تا ابد
سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم

مدو جزر بحر سودا را بماند حسب توم
دل بہ دریا و سیر بر روئے لب آب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفرین بر نقص قراں مومناں
بازمی پوشندہ یا بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ
گر بہ و غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است
ما دہل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

وہی کام آئے ہیں مستو تو کو دنیا میں فقط | احمقانی ہے یا اُس کو دغا آتی ہے
شمع آسا تو ہو اس بزم کا پھلے سے | تیسے بیمار کے جیسے کو دوا آتی ہے
رنگ متصر میں بدلتے ہیں کرکے کی طرح | جس کی لب پہ کھلاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت ظریف طریف ہیں انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا مسئلہ در خور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو مار مار اپنی عمری ہوئی جیبیں خالی کرنی پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بھی ست ردولی میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

" یا ایہا القوم ھوشہ کون سے وقت مل بجا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سو بھی شعر۔

ما دلہا دیگراں دخرد رحلاب فلسدہ ایم

ست اچھا کیا ترقی یہی کرتے ہیں غلط اگر اس کھر لغاتی سے سلمان نکل گئے پیٹ تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لٹ لٹک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو حیرت کے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھو تو تمھیں کچھ سنائیں ملکی من روے کا لطف ہے۔ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے ریاست شاید سمجھے کوئی چندہ ملنگنے والا ہے۔ مریسکن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے جوں توں خود ہی آ بیٹھے۔ رہوار کو بھی اٹھایا۔ کھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منہ چلی زبان کے ڈھول۔ پک کھم۔ پک پھم۔ دہم۔ دہم دہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہے ادھر بھی

گہہ رخ پہ نقاب اسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکے ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چیخ بھی جسکے ہو ظریف ادبی ہو پر بھی

گو ندا دانی وقت پر ملتی نہیں ہم پر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپ نے الٹی رخِ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلاے فراغت کیلئے جیب کھلا

دال دہولی ماش کی کھائی ہے نازک خو دوست
بالش و بستر سے مجھکو آرہی ہے بوے دوست

کی جو کریا غیر کی ہیں صاف چار ابروے دوست
تو نہ ہو یہ کا چاند بیشک ہو گیا ابروے دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
دو بیسے کے جو رنج ہیں الجھے ہوئے گیسوے دوست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آگئی ہے چہڑی سڑک میں سب ہیں کوے دوست

حسن کے دلکش طویلہ میں ہے بند رخشِ روے دوست
ہے سمندِ ناز یا اڑیل کوئی ٹٹوے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تم نے اگر پسوے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آغا چرا کھڑا ہے یہاں تو جو کار راہ میں ہے
نئی ادا سے نکالی ہے طرز استنجا کہ خود کھڑا ہے لب بام دھار راہ میں ہے
ترا جواب نہیں دوسرا کی بھٹیاری کہ دال چولھے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے
ظریف ہے وہ بت شوخ کسقدر آزاد جو سر گھٹا ہے لئے پشت خار راہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا یہ سب کیا ہے سلامت جھٹ کے پل سے اتر جانا
دولتی سے سمند ناز کی غیروں کا مرجانا یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا
رخ روشن کی جھری حسن کا گویا ٹھٹھر جانا قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا
مری آہوں کی توپوں کا وہ خالی خولی سر ہونا وہ ان کا لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا
مہذب جو نہ پن ہے یہ معشوق خیالی کا کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے وہ آخر تختۂ مشق اطبا کا بکھر جانا
بھگانا دیکھ کر انکو وہ سر پٹ اپنے ناقہ کا میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا
جو انار حبشی میں گل بگلے مضمون کے لیکر ظریف اچھا ہے اردو شاعری کا طاق جانا
پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ہاں ہونا اور وہ نالہ و فریاد کا جو دوڑ واں ہونا
گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا
خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا
یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا
امیقان وہ دریار پہ میرا پڑھنا ان کے چہرے کا وہ غصہ سے گلستاں ہونا
صاف لفظوں میں ہے ہلتی ہوئی دانتوں کا ثبوت دہن یار کا درج در غلطاں ہونا
در دلدار پہ کیوں کانپتے ہیں تھر تھر کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا
وہ کفن بہر شہیدان وفا دینے لگے ناپ کر ہر اک کو دو گز لٹھا دینے لگے

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی
کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں -
بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے
پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے
نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی - حقیقت یہ ہے کہ
آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جسکا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی
نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ
ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات
جابجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہوکر کلام ہزل سے
بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر باایہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت
کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنادیتی ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی - اُن کے یہاں کے
ادنی اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کرسکتے
اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور اعلی
امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں اُن کا کلام موجود ہے - اور
اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہوسکتا - نہایت خلیق
اعلی درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض
بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کرکے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ
لی ہے آپ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے
رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا
اتفاق ہی نہ ہوا کہ اُسے حاصل کرسکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار
درج کرتا ہوں -

حرف ظائے معجمہ

ظرّاف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ دو ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے | خریدو گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو کی چھلنی لئے پھرا برسوں | تمہارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے نکیموں کو خوب ہتھکنڈے یاد | جو دیب عشق میں معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا | ذرا سا کیوں میاں ہشتا مشک میں پانی ہے
کفن میں جو بڑوں سے اپنے باندھے پھرتا ہوں | سنا ہے جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کے سر آتا ہے غیر وا رے شوق | بنی جو یار کے جو تہ پہ کا ہدانی ہے
نہ ہے کسی سے رفاقت نہ کوئی اپنا ہے | میں جس پہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین ہوئے بیٹھے کوئی دکاں کھولی | صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا | ضرور شیخ جی جورو تمہاری کانی ہے
تمام ہے کرے سرکار لاد کر غلہ | شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں ہو خفت | نہ کھینچیے کہ لنگوٹی مری پرانی ہے
ہے حمد تو آپ پہ آپ اپنے کیوں نہیں مرتے | غضب کی آپ کے ظراف پر جوانی ہے

ظریف۔ میراں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

اور صنعت پر مبنی کردیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب سے یکسر ویک لطافت میں گئے اور اُن کی شاعری سے طرف شاعروں میں ایک گروہ کا اضافہ ہوگیا اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج مدلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش اور مرسان امارد پرست کے لئے سرکے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمو کلام یہ ہے۔

دردیدۂ من آکہ ہی از تقلینا ‌ ‌ ‌ پر کردہ ام لہ مہر تو جسد و علیبا

خردمل و مظلات لم سیب گارا ‌ ‌ ‌ گردیاد نعمی ریاہم فی التلبیا

با من وطعسلے دلدار نگیدن چرا ‌ ‌ ‌ تو عزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا

ما سلمانان مسکین کافریدن ہرچہ ‌ ‌ ‌ با گرفتاران مستعصفر گمیدن چرا

ما آفتاب چہرہ عیاں میدہ مرا ‌ ‌ ‌ اے نوبہار حسن خرامیدہ مرا

الا اے مہ کہ رحمت می کمندد ‌ ‌ ‌ دل من درکعت می ستمندد

مدعی چشم اعدائے تو طرزی ‌ ‌ ‌ دل خود را در آتش می سپندد

ما آرزوئے تو دیدہ خوبیدہ ایم ما ‌ ‌ ‌ تسا حسند خلق کہ چو بیدہ ایم ما

دامت حمید و دل چو نقطہ تبدیلو داغ ‌ ‌ ‌ از بیس دشمن و تعاب تو دیدہ ایم ما

گہ در فراق روسے تو کابیدہ ایم ما ‌ ‌ ‌ گہ چون کتان زحسن تو تابیدہ ایم ما

افتادہ دل بچاہ زنخ سامارلطف ‌ ‌ ‌ حل المتین زلف کہ چاہیدہ ایم ما

در سے رحمت تو بود در حساب ہیچ ‌ ‌ ‌ ہرچند بے شمار گناہیدہ ایم ما

اگر بے تو ہرگز سرامیدہ باشم ‌ ‌ ‌ نکا بون ہجر گناہیدہ باشم

خور و خواب برمن حرامیدہ مانند ‌ ‌ ‌ اگر نعمت خور و خوابیدہ باشم

کرز حلہ جا پکرا ایم سماری ‌ ‌ ‌ زلطف تو عرسا آمیدہ باشم

———

حرف طائے مہملہ

ظریف - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار — اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو الّو ہوکر
ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی — رہ گیا سارا جہاں بیچ سنبھالو ہوکر
نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سرزد مجھسے — کام تیسے کا بھی کرلیتا ہوں کدو ہوکر
پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں ظریف — جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہوکر
نوچ کردہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا — پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا
کردیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے — انتہا یہ ہے کہ بندہ آکے روٹی لیگیا
دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں — جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں
مرا بستر ہے سر رہگذر ہے — نہ چھپر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے
مرے طائر دل کو کیا کیجئے گا — فقط چونچ ہے اسمیں پرہے نہ ورہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کرسکے۔ اُس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اُس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہوسکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں پیر مہرباں | جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعہ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب جو ہیں مدبر بیشک | غلط کل مصلحان سعدت انگیز کہتے ہیں
برا ہے ہماری پالیسی در لاٹ صاحب کی | کہ دروغوں ہی کو دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے شیخ کو ملا جو شاہراہ میں | قلبی شدہ ہے جیسے کوئی نعت مسی
پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے مدار راج | سری جلت سے کیا ہے سیم کر دیکھی
کہنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ | یورپ میں جا کے دیکھے کوئی بیری پالسی

ضمیمہ — اودھ پنچ سالہا کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر شدہ اسد اللسان ہیم | در وادی راحریف عصری کم
کو مرغ سدرہ کو رنگ قد سیتی | طوبیٰ بہ شاخ صرد بلبری کم
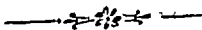
حرف ضاد معجمہ

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے - علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے - درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے - دنیا کے تعلقات قطع کر کے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی - موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے - شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے - مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا - اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا - اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی - مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا - اور اب کہیں بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے - ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں -

یا ایہا التلانکہ کرد جہلانکہ کل تو پچی پرابیہ فرو بکاسرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں - یہ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

ابے او پیر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے یہ پھیرے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری ونٹا سی گردن نکالے ہیں
یہی لیلےٰ کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رُوسیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ہونے پہ بھی ہے چاٹ ہونٹوں کی
میاں مجنوں زباں ایسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھکر بدہو میاں بدلے
پچھاڑ دل موڑا اس ہنسیا سے تونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا بوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
تمہے ہی ننھے منے ہیں تمہے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ قاروں سے بھی یہ ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی ڈھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جانمن روئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دھجیاں اُڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب بی بہار آئی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری نائکہ بے طرح اب جوتی لگاتی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

نقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں پھول والے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر دُھت پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جسدن مجھے وہ چاند گنجی کرکے چھوڑوں گا
گلی سے آپکی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں لے رشک لیلی ہوں وہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گڑے جاتے ہیں غیرت سے
جو تجھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

نکلتے ہیں حسیں عشاق کو زلفوں میں بل دیکر
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں اپنے اپنے جھونپڑے کہدو رقیبوں سے
مرے پر سوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

گزاری۔ جس کا حال اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ
رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے حروف اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزاپور آپ کا
مولد و مسکن تھا مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے اور یہیں شادی بھی کر لی ہے
آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے
معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز
کر دیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے
میں چار کتابیں مسلط سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو بہت مقبول ہیں
ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے
جلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ نہیں ہو سکتا آپ کی اس سخن گوئی کو تقویت ہوتی ہے۔
اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ کھلے خدا ایک
ہمرہے اور اگرچہ یہ دعویٰ دوسار کا رہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی
رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں منشی امیر احمد مرحوم
کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی
سے اصلاح لی اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے
عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں ظرافت مسلسلاً آپ کے کلام میں بہت
ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں
نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں	جہاں عشق بھی اب لو دیا دہ ہاں سنبھالے ہیں
خدائی کھرے کھرے رال دنیا کے رلاتے ہیں	یہ وہ ٹرمیا ہے جس سے لاکھوں مٹنے والے ہیں

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش
اُن کے اخلاق خام پر پاپوش

آشنا رسوا کیا محبت نے
آشنائی کے نام پر پاپوش

کہا کملو نے پیچ پیڑ کاٹ کے اپنی
جو الفت تھی ہوں بیل تو بیل

خرگوش تیرا ہوش میں بندت گم تھا
ہر خانہ زاد تیرا مچھندر ہے کم نہیں

گو سو کنہ سا کمینہ ظالم اجور ہوگئی ہے
لیکن ہوسے نہ اب تک تار دل کے دانت کھٹے

دیکھو بکوری یہ موا عاشق ہے
پدمنی بھینس جو با عاشق ہے

مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو
گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے

روز لاتا ہے ماش کی پوری
کیا کروں میں یہ موا بڑا عاشق ہے

رات سنگی دیکھ کر میری طرف کہنے لگی
اس نگوڑی کی تو کچھ تھوڑے سے سچائی ہوئی

تھا یہی کافر کہ کل جس نے ستایا تھا مجھے
خوش ہوئی پر آج میں اسکی مسلمانی ہوئی

میکدے کے رہنے والوں سے نہ پالا کیجئے
میکدے میں آپ پر افیون گھولا کیجئے

بند ہو جریان کب امساک سے
سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے

گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں
کب اٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے

صاحبقراں سے مغلو کہتی تھی نہ خفا ہو
ہرگز نہیں میں لائق تیرے چھوڑنے کے

میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز
یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے

کہا صاحبقراں نورن سے میں نے
ہماری کیجیو تو عیب پوشی

خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ
جواب جاہلاں باشد خموشی

صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ
لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ

پر جب ہوا احتلام بولے حضرت
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آگئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ
مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تا حین حیات زندگی بفراغت

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے — ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
صاحبقراں کی خاطر لازم ہے ہمنے مانا — راون کی ہے تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں سے کے ہاتھ — سخت وہ قحبہ بالزادی ہے
وہ نہ کیونکر سے چلے غرور کی چال — بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے — نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے — دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
وہ ہاتھ میں آئے احسان آپکا کیا — پکا جو بیل یار دست کے باپ کا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے — پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کدھر سے بوسہ پر — کس کے بوسہ کا نشاں ہے تو کہا مجھکو کیا
بے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا — یہ سدا غنچے اور پیار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے — دل ہے صاحبقراں میں میرا
وہ سادگی تری نہ رہی اب نہ کہ غرور — چینی کی تشتری ہے تری بال آگیا
مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں — بہکنا لڑکھڑانا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا — دیکھ نورن کا نکرا اور چیلا
اسکی کھبتی دم کو پکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا — چیخی اسطرح وہ چرخ کر گلا بیٹھ گیا
کل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ رنگ ڈالا — مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہے — جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب سے ہاتھ اپنا جا پڑا ہے — دل میرو دزد ستم صاحبدلاں خدارا
مجھے برفی سوا بھاتا نہیں کچھ — پڑا ہے جب سے ان میٹھوں سے پالا

صاحبزاں وہ لعل سا دل لگا سرخ ہے
کملو نے جان کر مجھے سارا دل لیا

ساتھ چھلے میں کمی کی ہر جوانی پر
رہا نہ چاہا کیا حسرت ملا کیا جنجال رہا

رات روشن سے اندھیری کی نگوڑی کر گیا
اس نئی گڑی کو سکھیوں میں ہنسی سے مر گیا

دسمبر ٹھنڈی ہے کشتی مجھ سے دم جو سنگ کر
دیکھو والا کیا کوئی علیم مجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو پرے کرنے لگی
جوبن ہوے مہاسے مانگ کی سوہر گیا

میں تو چھلے میں ڈر گیا جاکر
کوئی ماکھو بنی کوئی بیجا

آج صاحبزاں کی آمد ہے
جو کیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی معلس کے گھر میں ملمی ہوکر
سرانوں مادر کھو آئے ہے پانی پانگلے میں

وہ موسالا جو بیٹھیں پھوری کبیاہ میں
غیرت سے مل ڈوٹے پھوٹے میرے پاؤں میں

جوبن کو لورتی کے مار مٹتا دو لٹو
آئی سب ہے رج پہ کرکے دوڑ دو اب لو لٹو

بیٹے ہیں میکدے سے نور جلی ہے حج کو
اب تو سوجھے ہے کھاکے لی جلی ہے حج کو

چیوں غصے ہے سبھی کی ہے شال تانکہ
چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چنچل آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلی ہے
میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

دلہنے کرتہ پیلا رنگا یا ست میں
جوڑ وہ سینہ میں کسا انھیں پر الست میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے
درد سہتے ہیں خالہ او رنانی کے لئے

بدھ ڑون میں وفا عاشق ہے اپنی
کبھی تو پ اور تو پ جاتا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبزادی کب ہے واقف
تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی لپٹ مان لو میری بھولی بھالی
ہاتھوں سے کیوں بچھالی دیری بھولی بھالی

ماہک سا دوپٹہ اوڑھ میرے گرمیوں میں
اوڑھا نہ کرو بھالی ادمری بھولی بھالی

سمجھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے
باتیں نہ کرو رالی ادمری بھولی بھالی

حسن میں کہ چاندنی سے تو کھاتی ہردان خلقکا
غوری ہے یا سعالی ادمری بھولی بھالی

حرف ضاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشار کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرۂ گلشن بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش براحل دور۔ و طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہرچند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ اما در خصوص اینکس نظر بفحش و ہزلش خلاف عنوان ناخواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید۔" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ اُس کی طرف ہاتھ بڑھاسکے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو یہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت
شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ

دیکر عرق مکوہ کا پادا بدل لیا
صندل کا رنگ دیکے بُرادا بدل لیا

یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے انڈلوں
بازی جو دیکھی مات پیادا بدل لیا

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف　　دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرت انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا　　لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنس کے مرغی نے دیا اس کو جواب　　جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیسا ملا　　بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ فیشن ہے کیا　　بولی مرغی بچہ کمفرٹ وائز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی ہے ال　　بولی مرغی مرغ تیرے سر پہ ڈیر
مرغا سمجھا یا کہ بہتر پھر وہی　　مرغی بولی چپ ابھی رو دے بدتمیز
وہ زباں جو پڑ داناؤں کی کرنو　　بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کیسر
چھوٹ سکتی ہے جو پڑ سے کہیں　　حسنک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
خدا اس شہادہ کا حسن کلام　　مرحبا مارغ فصاحت کی ریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا　　تو پڑھ انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں　　پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب ٹریر

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند | شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں
کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب | جن سے روئے بتاں مرتب ہیں
کالی رنگت سے گیسوئے جاناں | لیلۃ القدر سے مناسب ہیں
کالی رنگت سے ابروئے خمدار | تیغ و خنجر ہیں جن سے اقرب ہیں
کالی رنگت سے پتلیاں دونو | چشم کے آسمانیہ کوکب ہیں
رنگ کے زیب ہے مسی کا جل | راحت چشم و زینت لب ہیں
کسطرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں | فائدے کل کے مجرب ہیں
زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ | متفق اسپہ کل مہذب ہیں
حجر اسود کے نہ ہیں بوسے | بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں
پاک کعبے کے کالے کالے غلاف | سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں
گوری رنگت ہے گر سبب اسکا | ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں
رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع | ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں
ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ | جیسے مبروص کے معذب ہیں
شکل سے سنکھیا شکر کی ایک | جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں
فرض کرلیں سفید کو گر دل | دل بھی خالی کسوف سے کب ہیں
پتلیاں گر سپید ہو جائیں | ہر قدم پر قدم مذبذب ہیں
رشتہ مندوں میں خوں اگر ہو سفید | لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں
رنگ نقرہ برا ہے گھوڑوں میں | اسپ شاہد صفات مرکب ہیں
اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار | کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں
سچ بتا اسپہ کیوں تو ریجھی ہے | جسے غمزے ترے یہ کیوں اب ہیں
بولی قسمت فضول سب تقریر | ایسی باتیں نظر میں ناکب ہیں

میاں مجھکو ستانا پروزا یہ بھی سمجھ لینا | جو تو عیار ہے بیرحم ہے تو میں بھی شہر آہوں

شہباز۔ اسم گرامی مولوی عبد الغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری ۱۹۰۰ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان اداکا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کما حقہ نہیں ملے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا ولا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میدان تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

جادو ست مدت سے بڑا لیا ہی چھپی کا رخسار   مانی حسن کی آئی چھٹی میں
شیخ گھمارے اسی قسمی لغت کے تھے کہا تھا   دودھ ملیدا

شوکت۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی اور ملک کے نہایت مؤقر شعراء اور اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ مبذول فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ منصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور اس میں بھی آپ نے وہ گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پادری تثلیث پر ناحق ہے اڑا   تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شیدا۔ دلی کا رہنے والا تھا احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ   دوڑتا صاحب چلا آتا ہے آزاد یہ سانڈ
ناز و ادا کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں   کیا کوئی چاہئے عاشق ترے ناز پہ سانڈ
لے گیا دل کو بغل میں داب کر   ہے وہ ڈاکو نہیں ہے چور ہے
ننگا ہی کر دو نہ مجھے اپنی گلی میں   ایسا نہ ہو لے جائے کفن تک کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو دیو نے لیا   کیا دیکھے ہوا اسکو کہ ہوا اسکا بدن چور
لے دل مجھ سے دوں کو میں کس سے چھپاؤں   ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

شیخ نے یکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ | وہ بمرسے دور دیو کرتے ہے بنا پیل
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یہ بنتا ہوئی | ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے ہول

شمشاد - شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں | عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں | یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا | یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگوں مجسم یا بھرا خوں | کسی مہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق | دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کہ لک مژگان چشم ستمگر آکے جگر میں کھب لگی | آہ کہ ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ
وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوق جنھوں نے کل دن کو | آج نہ آئے پاس مرے

آئے ہیں آج عمر کو لیکر وہ میرے گھر — سامانِ انبساط ادھر ور لئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی کی لیاقت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے حد کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اس وقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے — اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر بھی — پر اثر مضمون اخباروں میں چھپوا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی بد — یا کوئی اسکیم جدید کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہرگز نہیں ہے اب یہ شرط لیڈری — قوم کا رہتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہے بنا ہو گئے ہیں آپ بھی حامی قوم — اس ہماری مفلسی کا کچھ مداوا کیجئے
یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے یہ بس اک کام — اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رہا کیجئے

لالا انگریزی میں جب واقف ہوئے — مغربی تہذیب کے شائق ہوئے
اب تو کہنے لگے مائی ڈیر — واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علیحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ ۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا ۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوہر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۃً یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف ۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں منجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوے کبھی مینا لئے ہوے ‎ ‎ ‎ ‎ آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوے

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر ۔۔۔ دکھلایا ہے ذت تیری ودسنا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ ۔۔۔ الحمد للہ الحمد للہ

جھوٹے کے منہ میں آگے کیوں کیا ۔۔۔ استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے تیرے یار کی ایسی تیسی ۔۔۔ آرہا ہے ترے بیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رہ کر کہا کہ حضرت ۔۔۔ لوٹا ہمارا مر گیا کچھ بولتا ہوا

یار گر صاحب وفا ہوتا ۔۔۔ کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

چلتر سن نیا عیار کا تو ۔۔۔ زبردستی مرا دل لے لیا ہے

چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں ۔۔۔ ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں

مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاںؔ ۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی نہ ڈولی نگی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ ۱۸۸۹ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

کلام میں سادگی۔ صفائی روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہی
چیزیں زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ
میں بذلہ گی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں
نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اسی جگہ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں
یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا
رجحان ادھر تھا۔ وقت بیوقت لکھا رہا۔ بلاے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار
نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوے
ہیں اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں
پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے
اور اس بات کی بیان تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر
کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے | سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو | ارے رے رے رے ارے رے رے ارے رے

سنتے ہی سمدھی کی مرگ خوش ہوا | کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

سہلا رہے عشق میری شوکت شان | بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

گیا اک دن جو اُسکے کوچہ میں ناگاہ | لگا کہنے چل بھاگ رے پھر آتا

دعا دی تو لگا کہنے کہ دُور ہو | سنی میں نے وفا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا | تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منہ ڈال دیکھو | کہ تم نے اس وفا پر ہمسے کیا کی

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجوگویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی ۔ بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بہت مائل تھی۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے۔

اے خیرہ سے بے تمیز بندقی بوند و عکسا ۔۔۔ ہے (زرق) و کاخ خوار و الکہ کو چھاتی کیسے

گہ خوار و چوں کلاغ و سیہ تے چو غراب ۔۔۔ زبلیہ گرچو صوہ و چولہا کیاں کرکس

۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔

ہر صبح باد گوز بر پشت آشوں تشول ۔۔۔ ہر شام باد ۔۔۔ پیک پاپاک

سوز تخلص سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلّی میں ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ ان کے والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہنچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے ہزار حیف ۔۔۔ اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی یہ مرشد آباد چلے گئے۔ جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی ۱۲۱۳ھ میں پیوند خاک ہوئے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کہتا ہے حامد خاں کیا کس نے حرام نیل　　حلت پہ مسئلے کی میاں جی کی ہو دلیل
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی حاصل تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آگیا۔ اُسے بھی مجبوراً ایک کند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوئے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور مخلوطات۔

جہاں میں کون سا تا ہو اُلو پٹھے کا　　کسی سے سن کوئی آتا ہے اُلو پٹھے کا
ست ہی مان کھپاتا ہو اُلو پٹھے کا　　تا مجھی کو یہ آتا ہے اُلو پٹھے کا
کہ فدوی مگ میں کہاتا ہے اُلو پٹھے کا

کیا ہے حرج مانے میں اُسکے میں کہہ کر　　نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق دو ہنر
چادر بوم ہو سوادہ پہ لگے ہے ہر　　جو راہ ناشایستہ ہو صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلو پٹھے کا

میں کاریگر ہوں استاد کا سن ہو خاطر　　جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم سے میں گر کہوں سے ہو کچھ ہر　　تو اُسکی شکل کروں لو جانور کی پھر
عجب شور مچاتا ہے الو پٹھے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ضاحک کی مذمت میں فاحش کہیں کا حاکہ مولوی مدحت کشمیری کی لڑکی کی مد لیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے مگر بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اس کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور مخول طعن و طنز و تشنیع کے ذرائع کام میں لاتا ہے

اب بس تو بیٹھی دیکھو کہیں جو کانہ گر پڑے　　ڈرتا نہیں ہے مجھ سے تو اپنے گرد ے منہ پڑے

کہہ دوں ابھی دو دل سے ستاتے ہیں۔ شیخ جی

ایسی ہے بے ادب خدا سے بھی نہ ڈرے　　آکر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے

شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے لے بالوں میں کسے　　یارب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے

ورنہ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں شیخ جی

جو درد کہے ہے یہ شہر سے اے شیخ تم سنو　　کیونکر کہ تم نے دی ہے دغا جھکے منہ ہو

میں جانتی ہوں تمکو کہ تم فیلسوف ہو　　سودا زیادہ کیا کہے ہے بات گو مگو

جیسے ہیں ویسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتوی دیدیا کہ کوّا حلال ہے۔ سودا کو ظرافت کے لیئے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی۔ اور وہ وہ اوکھیاں سنائیں کہ آج تک پڑھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے　　کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے

یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے　　جو فقہ داں ہیں سب کا یہ اُن کا خیال ہے

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہوئے ہے چاند خاں　　اور دوسرے میں کیا کہوں اک اپنے مہرباں

کچھ شک رہا ہے کسے کی حلت کے درمیاں　　ہم سے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں کہ ہاں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

یار و بسو ہو تم اسی دیر خراب میں　　بیٹھا اٹھا کرو ہو سدا شیخ وشباب میں

حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں　　جتنی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواب میں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آن مجتہدوں بیچ کیا یہ میل　　ملا لطیف بولے کہ کھانا روا ہے چیل

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا | یوں جو رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بڈھے جونٹے کو جب اڑایا | تب شیخ سدو اسپر غصہ کو کھا کے آیا
بولا کہ کیوں ہے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی | ہے آج کو کہا ہی کل دو گے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا تو نے گوری ہے نہ کالی | بی بی کو اور تم کو گھر دیا ہے خالی
بکرا وہ دے گی تمکو جس نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی | میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چیا جی | گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بجا جی
آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہے کوڑی | گر ٹکے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منھ کو ڈھیلے کی ہیں گنڈیری | تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے نگوڑی
بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منھ کو میٹھا تجھ سے کو ہمارے کرنا | دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاوے اپنی پرند یکھا بھس کا تمارے بھرنا | بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی میں لوں تو ارنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو ہیں منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے۔

نائن کہے ہی شرم سے دولھا ہی سر نگوں | اب کیونکہ تیل روئے مقدس کو میں ملوں
شانہ کروں میں ریش کو یا وسمے سے رنگوں | جی کی امان پاؤں تو کیا نیں کھولوں
منھ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا نگوئے | بارہ برس کی چھوکری یا جا بجا تے لائے

زمانے میر ضاحک کی محنت کی خاک میں ملا دیا سودا کی لکھی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد سلام | کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں | جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھاوے اس کسی کی ہجو میں | ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے سری سیادت کا مقر | جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایک سال | سب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھ کر یہ دوا تجویز کی | سر بسر یا مرض کا ہے ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا | ہر سحر اس خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی تئیں | وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوداک مدرسے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

سن تو ٹک لے صاحب لطف و جود | ہے کیا سید نہیں دیکھے مگر
میش و کم تجھ میں سے دیکھا عقل و حمق | نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں | جاتے ہی مانگے ہے اس سے ما حضر
عقل کہتی ہے کہ کھانے پر نہ کھا | حمق کہتا ہے کہ جینے سے ہے ڈر
سید لے میر سلت آپ کو | کہا آیا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوداک پدر سے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت یاد مانگی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجوئیں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام جل رہا تھا۔ اس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم اور ادھر امرا و وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آرہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انہوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ ادھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجوؤں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بوا سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو بہے چائے کا دریا ہو کر	عکس خورشید نظر آئے کلیجا ہو کر
اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر	انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر
شور باتاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر	حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر	سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر
اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی	چائے نسخہ میں لکھی جائے نفقشا ہو کر
کوفتے خواب میں بھی جو تو برہمن کھالے	توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر
عقد بریانی کا جس وقت مطنجن سے ہوا	کرتا گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر
فرقت قاب میں کی پیر نے اتنی زاری	کھل گئی ریش بچارے کی تماشا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو کہ نجات	پہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر
اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فروغ	قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر
ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور	چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر
خشک سالی میں نہ رکھ سوختہ امید پلاؤ	پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی - عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل لوگوں میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منھ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

اگر دو دست تو یک عہدہ ہا سد — سعتۂ دگرت رلیس ما میاں مانند

اے حواجہ اگر ما خرد و تمکیبی — حز حلق ردں کار دگر گرمی
چہ حوستر اراں بود کہ ہنگام جماع — ما حایہ فرو بری مرتس را میبی

مرکب ار مہر راستے ماسد — سدہ اراسپ حویش در رنج است
گوستت قطلغا را ستوالس ہست — اِست ما سد اسپ سطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں طرلفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بےادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسی خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے تھکانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

سحر آمدم بہ کویت تو بشکار رفتہ بودی — تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف وظرائف درج کئے گئے ہیں مگر اکثر ان میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معرسادہ دقرابل قلم ہیں

امردے کانرا پلاسے در براست — خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد — چوں باز کنی مادر مادر باشد

زربامرد کسے دہد بہ گزاف — کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم — چہ خوش باشند ہم زانو و ہمدم
ہر انچہ آنرا بود ایں را مہیا — ہر انچہ ایں را بود آنرا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے — بصحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف — دگربار ایں موخر آں مقدم
گر ایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر — نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوستدارم — اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروساں مقنع بے شمارند — عروسے را بدست آور مسلم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پاے — تو پنداری کہ خروارے ست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار — کہ محرم ل نہ پوشاند زمحرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار — ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است و دیوار — حدیث دشمناں بادست و پرچم
ہر آں کز پشت آدم زاد ناچار — رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز — رہ ایں است لے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چونتو در اسلام — کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجائے خویش نتواند خاست الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخرکار دونوں میں جنگ ہوئی۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے علٰحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی۔ بڈھے نے سرعدالت عورت کی بڑی مذمت کی۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا۔ پوری حکایت یہ ہے۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دخترکے خوبرے گوہر نام چو درج گوہرش از چشم مردماں بہ نہفت
چنانچہ رسم عروسی بود تمنا کرد دلے بحملۂ اول عصائے شیخ بخفت
کماں کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت
بہ دوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت کہ خانماں من این شوخ دیدہ پاک برفت
میانِ شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں کہ سر بہ شحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر ہزلیات جو از سرتاپا شوخی اور تمسخر سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہوگیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں۔

آن شیفتہ را چو باد در بوق افتاد آن گنبد سیم رنگ در داو باد
از بہر منارہ زاویہ وقف نکرد ہمسایۂ بد خدائے کس را مدہاد
آں عہد بیاد داری و دولت شاد کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

لو کرشمے نار واملار رحمت سمجھتے تھے۔ وہ جب دستوران کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ نادل ناخواستہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آمرود کہ خط شاہدت بود　　صاحب نظرانِ نظر برا ندی
امروز بیا مدی بہ صلحش　　کس تخم دمیدہ برنشاندی

ماہ بہار تو کسل زرد شد　　دیگ مہر کاتش افسردہ شد
چند حرامی وشکر کی　　دولت پارینہ تصور کی
پیش کسے رو کہ خریدار تست　　بار بران کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ خط کو خیر آباد کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است　　داند آنکس کہ این سخن گوید
یعنی از روئے نیکوان خط سبز　　دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گندنا زاریست　　بسکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجان داشتمی ہمچو تو بر ریش　　نگذاشتمی تا بقیامت کہ برآید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو فقرہ دینا ایں کی جاگنی چاند کو چیونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا　　چہ شد کہ مورچہ برگرد ماہ جوشیدست

ایک جگہ تجربہ کی بنا پہ لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیرین است　　تلخ گفتار و تند خوے بود
چون ریش آمد و ملاعت حد　　مردم آمیز و مہرجوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے نوجوان بیویاں خوش

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کا ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں - مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں - بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں - بہت سی جگہ الفاظ تین ہیں مگر ایک ایک لفظ میں سنو سنو زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کرکے لکھ دوں - ملاحظہ فرمائیے -

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے لڑکا اور غلام کے لئے یہ قید لگا دی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن　　بود بندۂ نازنین مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبراے ہوے اُٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید　　خیزش اندر میان جمع بکش

ور شکر خندہ ایست شیریں لب　　آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اُسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھا دے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا - اور نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہو گئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نرہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے مبدل ہو گیا تھا - اب وہ غمزے

دو دن سے ہکا دیکھ کے دوڑ پڑا سا لوگ — چلائے دیسے انکو چھیڑ دی ہار ماں
چلائے دت میں تھوڑا سا

دوئی دات گھس گئے کمسا ہیوں ایئے — دامن سے ایسے حرمان کا کس ہار ماں
کلا — ور کاٹا

مارے ڈران کے بھاگ گئیں لیکا تی ٹیلی — دیکھوں لہو بھرا جو میں اُسکی کٹار ماں
کرمن سے حمہ کا ڈیل ملا ہے اڑسا — وہ مار چپ سکے بیچ پھلاک کار ماں
عیتر ادھری گٹھڑی مال ہکا شا کے — گلشن سے لاگ ہے مگر ہیں سنگار ماں
سرکو ستارا تو مار کرت سے ہکا تک — مولی سروت ہے جو وہ مٹھے کے ار ماں
مسیح — کے ہال میں

سعدی - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا - مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا بہر صورت آپ نام کے ساتھ جس لقب اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوئے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے - سب سے بزرگوں کا قول ہے کہ بہ معقولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ بہت ہی کم کسی کو نصیب ہوئی - آپ کی تعریف اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کے کمالات سے واقف ہے - آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح معقولات کے استاد کامل تھے - اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتی مگر ہم نے ایک قلمی نسخہ میں یہ عبارت دیکھی - کہ حضرت نے خود فرمایا ہے - کہ مجھے بعض امراء ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو - مگر میں نے انکار کیا - یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے - تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے - اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے - کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں -

ملا دل ڈھونڈھنے کا خوب موقع آن کسرت کو — وہ کہتے ہیں جو ہیں دیکھو ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہدو کہ خچر ہو — یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے بڑے خر ہو

پڑے رہو مرگھٹ پر موچنگی کی سڑک پر ہو — کہیں تو دید اُس الّو کے پٹھے کی میسر ہو

کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی — اگر ڈڑھیل ہو دلبر تو کم سے کم مچھندر ہو

الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوچۂ جاناں سے — بغل میں بسترا ہو، کھٹیا اُس کے سر پر ہو

تمھاری گول آنکھیں لال منہ اسٹول کی جھک — یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو

یہ کیا بندر کی صورت میں لائے ہو ولایت سے — ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو

عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو شرکو پر — خدا سمجھے تمھیں معشوق ہو یا اُس کے نوکر ہو

ستانے کا مزہ میں بھی دکھا دوں انکو ای سرتر — جو میرے ہاتھ میں جوتا ہو اور انکا گھٹا سر ہو

دو ننگے پانوں آ بھی رانکو ماں باپ سے چھپکر — ہمارے ساتھ بھاگ آئیں تو گھٹ پٹا نہ ہو چرخہ ہو

سرکوب یا۔ دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اُسی ٹائپ کے ہیں۔

ہم کا بتائی بات ہے کاہمرے یا ہاں — مار و تو موت مارے ہی جھٹ سی اجار ہاں

کیا بتائیں میں — ازار

سب کا جگائے دیت ہے بس چرچرا کے — لیٹا کرب نہ آج سے سارے بیار ہاں

چپال

موڑھے پر اُہکا رکھ کے بڑی ڈھاک جاب — لگا جو کو تو روج اکیلا بجار ماں

گردن پر اسکو — لگگیا جو کسیدن

کریا ہے رنگ، ایس مرے بانکے یار کا — ہوئی جائے رات دن کا جو نکلے بجار ماں

کالا ایسا — دن کو

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی ایکی　　جا بجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں
کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد　　پر ملے لونی کے ہے شکر تری دیداروں میں
عرق آلودہ وہ ابرو میں مزا ہے اے دل　　ہے عوض آب کے شربت انہیں تلواروں میں
لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح　　دھوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں
کیوں نہ باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہو یار　　صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحاں کو بہ کاری میں رہیں ثابت قدم　　جو تیاں جسدن لگا کر چاہئے چلنا دیکھ لے

افیون کی کم میں یاں سے نکلے　　تو قیر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپنے انیم کا رنگ　　سبحان اللہ دیکھئے گا

جلبتک نہ دل کی بے کلی جاسے　　او دائرے والے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا　　نشہ افیوں کا بڑہا ہے یہ عمارت میری
کیوں نہ ستر کیں رہے گرد ہر اک افیونی　　ڈھیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری
کہتا ہے خوانچہ خرنی کا کہ زرتے کا طباق　　ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت میری
لوٹ سکتا نہیں افسوس تہا سا مجھسے　　بڑھ گئی کہا کے مٹھائی یہ نزاکت میری
میں یہ سمجھا جبشی دیکھ کے حلوا سوہن　　جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب وصلت میری

مصری کی لبنیا چلکے صنم بیچئے انیم　　ہے جا ہے لطف کیمت یہاں نیشکر کے میں

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے — دشمن میرا تباہ ہو جائے

سطریں ہوں رشک زلف خوباں — اور رو کش کاکل حسیناں

ہر لفظ بنے جنبش کی دوطن — اور خواجہ بدیع شوہر ان

ساقی چینی کی پیالیاں لا — آب اسود کا جلوہ دکھلا

کر رحم پلا افیم چینی — نادرت بہ کشتم کہ نازنینی

ہونٹوں پر آگئی مری جان — رنجم مفزاسے بادا دان

تو بے خبر اور میں ہوں رنجور — اس ملک کا کیا یہی ہے دستور

ہے میری دعا کہ خالق کن — برسائے تری دکان پہ ہن

مجمع رہے وہاں افیمیوں کا — دل باؤل چیونٹے مکھیوں کا

بیاری موت پر بلا ہے — بس اس کی افیم ہی دوا ہے

مر جاؤں گا گر نہ دے گا افیون — سوگند بذات پاک بیچون

پیاری ہے افیم جان و دل سے — پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوجی (خواجہ بدیع)

پلا ساقیا مالوے کی افیم — کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم

کرم کر حقیروں پہ سائیں ڈیر — میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر

پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا — چھلاکٹ آب اسود کی مجھکو دکھا

نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ — نہ چانڈو نہ افیون گانجا نہ بنگ

جلا دے دم واپسیں اے کریم — سرہانے یہ کہہ قم باذن الافیم

نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ — پلا جام افیون کا بھی بیدرنگ

دم پینک وعیش بے رنج و غم — پڑھوں یہ کلام فصیح عجم

کرو یا ترحم پہ حال سقیم — کہ ہستم اسیر کمند افیم

اے اکسِ ریل رہ نوردی | دے پہیۂ چکڑہ دوردی
اے کاگ حہدہ لیموسیڈ | دے برق جہدۂ برگیڈ
اے دفنک خرام ریل گاڑی | دے روکش ٹانگن پہاڑی
اے دمنگ دپو برنگ دلدل | دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیرگمان ملک ایران | دے رش سحر معاہان
اے جوشش امال مرہم ہانڈی | دے تلفل وتل رانڈی
اے ریگ رواں دشت چماق | دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانہ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانہ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں حاجی بغلول اور حرف دیڑے یا احمق الذین میں بھولے داس۔ آپ ایک حماقت کی سربسد پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع اقسام کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت کی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے ۔

اے ساقی گلبدنِ رنگ شمشام | دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی | ٹپکا منہ میں افیم ساقی
چینیا بیگم کا عاشق زار | یعنی خواجہ بدیع سیار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی | رہجائے یہ آرزو نہ باقی
ساقی تو قدح افیم دیدے | اور اس میں ملاکے بیم دیدے
نشے کے جھونکے خوب بڑھ جائیں | اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہے میٹھوں اشعار | بلبل کا ہو دیوانہ اسرار

فتویٰ کاشی کا کون مانے	لاکھوں میں پیے کھلے فرنانے
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند	رندوں کی گرہ میں باندھ لے بند
لے منھ سے لگا لے جام بادہ	اک بوند ھما پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ	کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چہم	با ناز و کرشمہ و خشم و چم
بجر خوبی زباے تا فرقا	ہلنتی کبھی ہوئی انا البرقا
بھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی	ابھرا سینہ کھچری چوٹی
پازیب کو خوب چھم چھماتی	پیاری پیاری پھبیاں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان	جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی	اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان	میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو لے کے آپ کھاویں	بیٹھے بیٹھے مزے اوڑاویں
ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ	جو کچھ کہے سب وہ کیجے آپ
اور میں بھی کہوں اٹھا کے پلین	تسلیم جناب قبلۂ من
ترکے شکلام پر درم ہو	اشب کہ کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دہرم کو کھٹکا	سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یارو دنیا ہے دوں ہے کس کی	میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو دسکی	کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن میاں بے خبر کو شرمانا چاہئے جو خواہ مخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

ہر فقرہ پکار رہا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتا رہا ہے کہ اس
رنگ خاص کا میں ہی اختیار ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت
کا دیکھنے والا بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری —
راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو قیمت جان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان
کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں
نا سنا سان ظاہر ہیں اسکی لمعوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے
مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی اپنی پسند
کے مطابق ہیں عقل رسا۔ ذہن نقاد ذوق سلیم۔ حق کو منصور محض ہی کہہ سکتا ہے۔ ایڈیٹر
اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا تمسخر تہذیب کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ
یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تمسخر اگر تہذیب ہے تو اس سے ظرافت یہ دوسرے جرموں پر بجلی
گر جاتی ہے اور اگر تمسخر ہے تو مزاح و مذاق کے ہر ہر فقرے پر سرشار کو بھی یہی ایک
غنچہ کھلا دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے چھپن برس کی عمر پا کر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدرآباد انتقال کیا
شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے گو ظرافت
کلام نہیں ملتا مگر ان کے مبیں کلام سے چند اشعار منتخب کر کے لکھتا ہوں:

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے ۔ اے پیر مغاں کا ظرف چھپا ہے
دانا پلوا شراب اچھوتی ۔ جو شیشہ خوش رنگ تیر جو مکھی
کوثر کی کھچی ہوئی ہے منظور ۔ لیڈی وائن جسے کہے حور
دست ہوں پی کے ایک چلو ۔ راہ کو سائنس جوت لو

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسم ورواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور ان میں محاورات کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سودا ان بن لند ہور کی داستان خیال کرنے لگتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ ان میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنھیں سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کی ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

ہوئے بیچکے ہم جو رہوا ٹھتے کیونکہ در گر پڑیا | وہیں رہتے مثل مینا کہ ہیں فنا ہی تمام کیسے

سخی۔ تخلص سید پرورش علی نام۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ رند مشرب۔ آزاد مزاج۔ یار باش خوش خلق۔ پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے۔ بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ بھاکا میں الفت تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی سنہ ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بوسہ لِلّٰہ سخی مانگتا ہے | ایک دیجئے گا تو دس پائیے گا
اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو | گالیاں دیں سر بازار یہ کیا
کہاں دن کو گھر سے محل جائیگا | ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائیگا
مرے دل میں آنے سے یہ فائدہ ہے | ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا
شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام | انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا
سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں | میرے دیوار کا خدا حافظ
ایک ہیں جس کا نامۂ اعمال | دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں
توبہ ہے شیخ جی بُرا نہ کہو | دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو
دل کہو لو نہیں جو کہتے ہو | ہم ہی لیں گے ہم ہی لینگے

سحر مولوی۔ اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت معرا عن المعنیٰ میں کہی گئی ہے۔

طباشیر سحر عکس بیاض روئے جاناں ہے | چمک خورشید عالمتاب کی تیغ خوباں ہے
الجھتی زلف نیلی فام ہے شبدیز مجنوں پر | کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی۔

چھپے ہیں قصے جو سوچیاں ہیں طرفہ | پہ جو ہر سوں فی المثل زرحد کی حد ہے
سال تاریخ ڈھونڈا ہاتف غیبی نے کہا | شیخ چلی آگئے دنیا میں ناسمجھ کی
۱۳۱۹

حاجی لقلق جب کنٹ دلی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر لقلق کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

مستول کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم | تن زار گھنگر شعیرا ہوا ہے

یار دل کو کیوں ہے داغ پیمیل ہو گیا | کیا امتحان عشق ہیں بس فیل ہو گیا
تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا سوئی کا | ایسے تو حسن پر عشق امریل ہو گیا
اسٹیشن عدم کو چلے ہم وداع ہیں | حاجی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا
دیوالی تو حصاری سے جھگڑے پر عشق کے | لقلق کا ڈنڈ کا اگر حل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند | دو ایک ہاتھ جاہ میں جنڈل رہ گیا
ہو بچا جب ان کے گال پر ہونٹ دیکھ | منہ کھولے تم سے ہائے یہ لقلق رہ گیا

تاریخیں ہم نے لطف دگر ایجاد کیا | ساتھ سائیس کرنے کا ویمیں فیل کیا

لقلق کے مہاسامہ عام کا ایک شعر

سپردم بتو مایۂ خویش را | تو دانی حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدسہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

عزیزو حق تعالی کبریا ہے | شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گدھیا میں سوار ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی۔ منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابوالکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اردو میں کیا۔ جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حرف سین

سب رنگ - قاضی عبد الغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعروں سے رنگ میں نکال لیتے تھے چند شعر ملے سکے یہ ہیں -

فضول کس لیے تکلیف ہو پچھاننے کی ۔۔۔ لگا دو آگ کہیں دونیاں جلانے کی

اسی سے تو لئے مرے لیں رقیب ہوتی ہے ۔۔۔ تری نظر میں کمی ہے ٹال جانے کی

اگرچہ گرم تو باقی نہیں رہے اب لیکن ۔۔۔ ابھی تلک نکو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں جلانے گئے تھے دل میرا ۔۔۔ اب اُن کو فکر ہے میرا کفن جلانے کی

سنا ہے میں نے تمہیں لٹ کاٹ کھلتے میں ۔۔۔ بنی سر لبے یہ بیسوں کے منہ لگانے کی

سنا ہے بیٹھ اس آج موں کے رد اٹھا کر ۔۔۔ سزا ملی ہمیں سب جگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور و معروف وہ شخص تھے جنکی ادارت میں ہندوستان کا مشہور ظریفانہ اخبار اودھ پنچ سال ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا۔ منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدرآباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں مقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب [illegible] حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی۔ مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

کفش و پاجامه نماند به یکے از عجمے — لنگ و عمامه تمامی برد از اہل عرب
تا نمی زاد در دنیائے دنی کشمیری — کاش ایں قحبه بستر ول بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں که حزیں نام و خطابش آمد — در سخن یافتے زیں جز دو زباں منصب
بیحیا آب نه در چشم و نه بر رو دارد — خاک او ساخت مخمر زپے خجلت رب
قلتباں چوں نه دہد لاق عروساں ساماں — میہماں جفته زنانند بجوالبش ساہر شب
ہمچو پیکاں به دلش غیر دل آزاری نیست — چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانه اش نے به فلک ہست نه بر روئے زمیں — سر بسر خانه برانداز چو راس الذنب
ساکن دیر شد و زائر بتخانۂ ہند — غور کن بودن او را به بنارس چه سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت — که عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنه ہا زاد به ایراں ز وجودت شاید — مادرت ام خبائث شده چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راه دگر ره بوطن — روئے سوراخ نه دید است و نوبت عقرب
حرف بد جز به زبان و لب بد کے آید — بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چه عجب
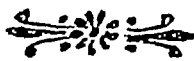
کون کہتا ہے کہ غالب کی ابدیری قبر میں | کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہو پیاس میں | یا ہمیشہ ہاتھی پھرتے ہیں کالی جا ہیں

زیرک ۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے ساتھ اچھے جاننے والوں میں تھے ۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لیے نمونتاً لکھے جاتے ہیں۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح توہمی شود ار من کنم اندر سبب | اوست ترم و حیا غیر جاز التیسل طلب
ہمہ جامی و دلاک بود اعلا لس | اتقی دلہ و سادہ دگر انساطرب
در حسب نامہ شمال رہنمہ خلق ہمہ است | در کتاب لعراریل رسا لیس
کس ندیدہ بوطن مردان کشمیری را | در جہاں چوں صف رندر وان طلب
یک سار ہیں توم ندیدہ است دلو ست کشمیر | رنگ رودچوز سوراخ برآید عقرب
پے یک حبہ دو اسد ستاں سو مشق | بردالیشاں دو وہم را دہر تا طلب
بے سبب ست اگر دوستی لشمار کیند | بعداوت چو درآید مجو ئید سبب
در محبت چو ریاب و مروت رنمور | بسخاوت چو غزالت تیہا عطلب
حد لطفے کہ کند خانہ آہا تقریر | ہیچ دسالم آرا ہمہ میں اخرب
مگر کشد ارس راد حق مشتش خول چکد | در ہر علار کفتا یاں لعیدہ بچیب

میرٹھی مُلا سے یہ پوچھے کوئی　　کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زانی - دکن کے ایک مشہور ہزال تھے - میر غلام حسین افسق بُرہانپوری انھیں کے شاگرد تھے - گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے - کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہوسکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں - مجبوراً خاموش ہوتا ہوں -

---

زیٹر - سید باقر حسین نام ہے - سُنا ہے کہ مشک گنج لکھنؤ میں قیام ہے - نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی - مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا - زیادہ حالات معلوم نہیں -

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں سنگیں دل کے پاس　　سنگ خارا کی ہے یا رکھی ہوئی سل سل کے پاس
یار نے پالے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم　　بھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس
ناک کے پہلو میں مستہ گال پر ہے یار کے　　اک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس
کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جاگزیں　　دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس
یوں چمکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق　　آگیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا بسلے وہ　　یہ سلیپر میری اٹکالے تو اپنے دل کے پاس
ہے جبین پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک　　یا کھرل کا رکھدیا ہے پتھر نے بٹہ سل کے پاس
پھرتا ہے اسوقت زیٹر اُس کے رخ کے اردگرد　　گھومتا ہے یا چکور اسدم مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دست نازک کی ہوا کھائی نہ تھی　　گدہ گاہ شیخ جی منت کش نائی نہ تھی
بے سبب کس واسطے پھسلا مرا پائے نظر　　سبزہ خط عارض جانانہ تھا کائی نہ تھی

نزاغ ۔ یہ تخلص تھا جناب منشی محمد مبین صاحب نازش بدایونی کا ۔ ابتدائے شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش ۔ کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے ۔ اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے ۔ اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے ۔ مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پرگو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے ۔ نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے ۔ حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں ۔ اور اب بھی یہ شغلہ جاری ہے ۔ آپ کی تصنیفات سے کئی ایک ناول اور دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں ۔ ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا ۔ اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا ۔ مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے ۔ اور رنگینی بھی ۔ قوت واہمہ زیادہ ہے ۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں ۔ اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ تر قیام رہا ۔ اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی کان پور ۔ دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں ۔ مجھسے عرصہ سے ملاقات ہے ۔ مگر پھر بھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں ۔ اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے ۔ کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوے ۔ آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری کی

میرے گھر شل تبرک کے یہ ساماں نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی — قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یونہیں جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا — مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے بہت بنتے ہیں مگر خوب نہیں ریاض — کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب — بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے اے ریاض — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا — ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ — کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں — کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں با ایں ریش سفید — ہائے یہ نور کی مشعل اور سیہ کاروں میں

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں — ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

اٹھوا دو میز سے سبو ساغر ریاض جلد — آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر — یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا — کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جاکے بنا آج شیخ وقت — کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض — ساتھ ہی آپ کے قبلہ سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں تنہا لیٹیں — سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

خم مسجد میں مے ناب بھری جا رکھیں — ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے بھڑکنے والے

واعظا انگور میں ہے دختر رز روبہ نقاب — آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

سلے لوا میں کیا کروں سڈی رجیا کے لیے — میری ہوتی سے جو دو پھرتی ہو گدرائی ہوئی
سلے ذرا پہلے تو میٹو کوئی دیکھے گا اگر — رکھی رہجائیگی دیا رہی ہو رسوائی ہوئی
دولہا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو — باجی آج آیا ہیں کیوں چکی سی ہو گھبرائی ہوئی
شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن — یہ تو بتلا دو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں نخرے کہیں بینے کہیں مٹھائی بیٹھے ہیں — جدھر دیکھو اُدھر ہی عاشق و مل بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر بہتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو ثمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں اُن کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جاسے گی مگر مطائبات ریاض

میری چھوچھو کی اجی کوئی پڑہا دے پشولز ‏ بوجھ سے اسکے نہیں وہ مری اپاتی ہے
سامنے سہری کو کا کے یہ سے ہٹ دائی ‏ تیری صورت سے وہ ڈرلیک سناتی ہے
میری پردا انہیں نگیں کو اری آنا جان ‏ اسکے پاس ایک نئی روز پڑہاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدہارے گا سنا ہی میں نے ‏ جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹھے سے تجھے دوں گی ہایہ ‏ لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اسکی ناک پر ‏ جتنی بڑی وہ دامری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہوگیا ترا میٹھا برس شروع ‏ کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی ‏ باجی مجھے اوڑھا دو جھا جھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے جو خوش ‏ اور آپ اوڑھو بیٹھیں مسلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا ‏ اَنّا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں ‏ سر پہ ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑیو ‏ کولے تلک جو سر سے مری ٹُھ ہلکی اوڑھنی
بھاری بنت منگا دے کہ سر پر لگاؤں میں ‏ سر پر مرے ٹہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے رنگیں کے دام میں ناحق ‏ کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی ‏ آما اتراتی ہے جوبن پر دا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے ‏ منہ چڑاتا ہے موا انشا جیا کس واسطے

کشتی میں کیتی تیل کی اتنا اے ٹیل ڈال — سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب — بندی کو یوں تو چاہے ڈکولا میں پیل ڈال

شوق ہم کھوج سی کو جو اس بات سے کم — بولتی مجھ سے دوگانا ہے بہت رات سے کم
بات کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ ددا — گات میری بھی زناخی کی نہیں گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام — اور میں آگاہ ہوں اس جرے وچکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں — تے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کہے گی مجھ سے کچھ منہ پھوڑ کر باجی تو پھر — ٹھونڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی ساری چوڑیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں سنے بار ہا — پہنیاں بسنت رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

تنقلیں یوں چڑہیں نظروں میں تمہاری گیاں — اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں پل پڑا خاک چاٹ کر — گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں
ہیں ہمرہ فتیں پھری ماری رگیں گئیں کوٹ کر — رنگیں ترے طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ — تجھ پر کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے — خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسر ہی — کھنچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

صبر میرا سمیٹتی ہے وہ
شب کو بولی تھی چارپائی کب

کل زناخی تھی میرے پاس کدھر
اوڑھے بیٹھی تھی میں رزائی کب

وہ نہ بجتی تو گھر میں اپنے نہ تھی
پاس اُس کے گئی تھی دائی کب

دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم
پاؤں میں میرے موچ آئی کب

کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں
اور منگوائی تھی ملائی کب

کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی
آرسی اُسنے تھی دکھائی کب

ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ
پیش جاوے گی یہ بُرائی کب

گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں
اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو ننج
تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو ننج

ناک میں دم ہوا چھڑایا ہے خدا نے انّا
عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو ننج

انگلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین
اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو ننج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند
جا کر دوا وہ لچھے کا لاری ازاربند

ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن
بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازاربند

ڈھیلی گرہ لگاؤں تو انّا یہ کہتی ہے
آیا یہ باندھنا تجھے واری ازاربند

باندھوں جو پیچ کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے
کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لڑ کر مجھسے روز
آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دوپار

کیا گئی گزری ہوں میں ایسی کہ جاؤں دوڑ کر
اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دوپار

ہو وہ دن ناپید جس دن بھیجکر دائی وہاں
واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دوپار

مجھپہ طوفان نہ رکھ چاہ کا چل دور ددا
جھوٹ سا ہے منھ کا تری جائیگا اڑ نور ددا

ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیجا سہی
تسپہ یوں گھور کے دیکھے ہے مجھے مت گھور ددا

اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے
تیرے تالو میں الٰہی پڑے ناسور ددا

بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی
ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور ددا

دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تو نے
اور کیا چاہئے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں یہاں تو نے گزاری اَنّا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے اُسے لا ری اَنّا

سوچ اس کا نہ ہو گر مجھکو تو کیا کر سکو ہو
جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری اَنّا

آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ
روز و شب بہتے ہیں اک آنکھ سے جاری اَنّا

ہونی جو ہو سو ہو بندی بلے گی شرطی
وصل کی اُس سے زباں ہو میں ہاری اَنّا

اُٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے تلیں کے پاس
کہیو حسب حال مرا میں تیرے واری اَنّا

چلو چل کر قدم صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں
دوگانا مینہ برستا ہے مہینہ ہے یہ ساون کا

کروں قربان میں شیواز کو جانی اداکاری پہ
دوگانا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا

ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھ سے نہ ہنس ہنس کر
زناخی مارتا ہے مجھکو ڈورا تیری دل کا

جوانی سے وہ پھل پائے الٰہی حف نظر میری
وہ کون انساں ہے جو خوش نہیں گیس کے جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دیکے مروڑی انگیا
ہوگئی تنگ پچھا دن سے نگوڑی انگیا

لے گئی کھول کے تو شب کو دوگانا ساری
ایک بھی میرے پہننے کو نہ چھوڑی انگیا

ٹھیک کچھ گات پہ یہ ہے نہیں مغلانی
تنگ اس سے بھی ذرا سیو تھوڑی انگیا

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے ۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے ۔

پتیلی میں نہ اُن کی چھید ہو جائے یہ کہتا ہے ۔۔۔ لئے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ
ہمارے شیخ جی ہلنے کی اکثر مشق کرتے ہیں ۔۔۔ کہیں دیکھ آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ
کمر بند انکا مستی میں کھلا لنگہ سرک آیا ۔۔۔ کہاں اگر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ
کبھی بھڑ ادڑاتے تھے کبھی گودڑ کو ٹھہراتے تھے ۔۔۔ جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ
بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے ۔۔۔ رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو توقیر میخانہ

نسیم صبح کے یا بو بھی کیا فر فر نکلتے ہیں ۔۔۔ چمن سے جب ترے گیسو لئے منھ پر نکلتے ہیں
دہیں پر ہر قدم پر تالیاں فتنے بجاتے ہیں ۔۔۔ پہنکر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں
ترا کوچہ بھی اک گنڈ ہی ہڑک ہے سیر کو انکی ۔۔۔ ربڑ ٹا نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں
چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب پھینکے ۔۔۔ ہمارے دو گھروں کے آج فرنیچر نکلتے ہیں
مبارک ہو عدو کو ہلکی ہلکی ٹھسکیاں آنکی ۔۔۔ سُنا ہے وہ بجانے کے لئے بنڈر نکلتے ہیں
رنگیلے دو ٹتے پھرتے ہیں اُنکے گول کمرہ میں ۔۔۔ انھیں تو وصل میں بھی کروڑوں چکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صوت پہ خدا کی پھٹکار ۔۔۔ دیکھتا ہوں اُسے دنیں بھی تو ڈرجاتا ہوں

رنگین ۔ مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے ۔ اِن کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے ۔ اور ہندوستان کے مختلف امرار اور روسار کی سرکاروں میں ملازم رہے ۔ رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو و نما دہلی میں پائی ۔ اور عمر بھر یہیں رہے ۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی ۔ اسغال کچھ خاص نہ تھے

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرۂ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحبِ تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں مبتذل شعر کا پہلو مدنظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکوں کج کج دل پہ اچھل لے اسے بیعانہ کا — سوت بیعانہ تھی یہاں جھک گئے خالاں کا
جا لالاں ترا کیوں ستم ایجاد ہوگا — کیا جوان کا دعویٰ ستم ایجاد ہوگا
وارنٹ میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار — حاضر جو عدالت میں تو جلاد ہوگا
ہم آنکھیں ہیں ہماری اگلے پہر لالہ — یہ جلادو کرا دیں استقدر کھاتے پھر کیل
گھر میں بیٹھے دید تیج کی تیسے رک کے بوسہ — قدر ہو کے گھسڑ گھر کے رار جو یار ہو
ہمارا یار ہم کو آج ملتکری چٹائیگا — سنا ہے یہ کہ تل دھسار کا لیکن شکر ہوگی
نہ پوچھو مفلسی کے تقد کا سامان ہی چھ — کوئی کا انکے پانی ہوگا اور سری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمٰعیل خاں نام تھا - جے پور کے رہنے والے تھے - مگر عرصہ سے لیے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو بمبئی میں تجارت کرتے تھے - اور اُن کی نوکری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں عشق اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۹۰۹ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت عمدہ تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۱۲ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چھپوا کر وغیرہ لکھوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا۔ اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ تیسرا خبط یہ تھا۔ کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر و پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لیے زعفران زار کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا۔ اُن کے لیے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اس وقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعمیل حکم کے لیے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس اضحوکہ کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونۃً درج کیے جاتے ہیں۔

الٰہی دانشمندی مراد خدا	الٰہی تو امیدوانی ترا
ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد	آب باراں کہ حکم خدا نیابند عدد کہ بالا آمد
خم غدیر را کہ پیغمبر داد و ملک داد	خریدار ملک را صلح سرتاج داد
و منصور حلاج بدار و مدار انا الحق گوید	شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید
صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد	بنیاد جنگ کردہ کہ الیدم خوشحال باشد
سلاح جنگ کہ سپرد شمشیر آمد	گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد
صورت نور کہ ارمنی در کلکتہ بسیار	خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار
زنان کلکتہ را آب بسیار	گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم سخن کہ اور دے شناس — خدا را شناس و خدا را شناس

اسکے ماتھے ہی پہ نالۂ و آہ — اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمین غزل دمے اے رشک — جس میں ماصہ کس بھراؤ نہیں ۔

اے مایۂ حیات کبھی مجھکو بھی دے — جو ثمر تری دکان کا تیرے لیے کم نہیں
یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے خدا کے — بنگلے بھی کالان پور کے گورے لیکم نہیں

سنکر یہ غزل کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ ما سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں — رشک مطلب سے من بلاؤ نہیں
سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی ۔

ربیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند سو دوت رئیس ہرا دہ کا تخلص کرتا تھا۔ گرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ دور دوس اور تذکرہ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتنا تا سے بھی ۔ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کرلیا۔ تو ربیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اُس کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرادیا۔ چونکہ ربیع الدولہ کا دماغ چلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر جاتے ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھوٹے اور ماسے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے ہی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجاے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے کیمبر لوز وٹوکا — پھنسی ہیں اور وطن جناب نوربافت کے

نہ ان کی والدہ ہوتیں نہ وہ نہ عشق مرا — خدا دراز کرے عمر ان کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ جو مہینے سے — ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں — ادھیڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ آکر شب غم — چارہ ساز آکے سہارے سے کھڑا کرتے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا انھوں نے فیل ہاکو کر دیا — اب وہ ممبر اور ہم اپنے خون کا دعویٰ کریں

رشک ۔ ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے ۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہوسکی ۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوے تھے اب کمیاب ہیں ۔ منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے ۔ رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا ۔ اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے ۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں ۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے ۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لخت جگر — فرقت یار میں پلاؤ نہیں

میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب — پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لعاب دہن — یہ اگر قند کا چاؤ نہیں

حرفِ رائے مہملہ

راحتؔ - دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے - باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا - جو حاضر ہے -

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا　　انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا
میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اُسے　　یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا
روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی　　تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے جو اپھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا ہاتھ　　نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے ہنڈر کی بات
جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال　　گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات
گو نگی بہری کب تلک لو گو بنی بیٹھی رہوں　　نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہیں یو ہر کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں　　مجھکو تو بجی یہ بڑھاپا چلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری　　دُگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری
لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان　　غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری

رحیم - ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے - خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے -

ذوقی۔ میر عبدالواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف ور نگاہی کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا۔ نہایت شیریں کلام۔ اور لطیف الطبع تھے۔ ان کے والد سید محمد اشرف ضلع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے۔ اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے۔ اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے۔ مگر در اصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرۂ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور متین اشعار میں اپنا تخلص واحد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے۔ اس میں غزل۔ رباعی قطعہ۔ مثنوی مخمس۔ ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے۔ جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

آنانکہ پردہ از رخ لوزینہ وا کنند — آیا بود تواضع سینے بما کنند

نان از تنور بہر تو باچہ را شدہ است — لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند

در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست — اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید — پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید

یکبار پوست را ز تنش بر کشیدہ اید — بار دگر بہ کیلہ ندانم چہا کنید

ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را — بر کام دل ز محنت زنداں رہا کنید

آوردہ ام برائے شما شربت انار — نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں نشدے ذائقہ شکر نشدے گر — چشمم نشدے سیر مزعفر نشدے گر

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر یہ رات دن — ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پانو

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا — اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پانو

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک — آخر کو ہاتھ آگئے اس سیمتن کے پانو

صد شکر پایا مرتبۂ عزت تنزل سے — سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پانو

چاندی کی نہریں پاکے دکن میں ہیں ہیچ — مفلس نہیں کہ میں کھلوں باہر وطن کے پانو

ذکی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی آئینہ نما تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھرپٹک ہوگی نہیں تو اسے سمجھا دیجئے — گالیاں دیتا ہے روز آپکا درباں مجھکو

زلف پر پیچ کی الفت میں ہیں ٹھیر جاؤں — دیکھنے کو جو ملے بھول بھلیاں مجھکو

دی ہے سو مرتبہ جب یار کو پپّی میں نے — تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی کھلیاں مجھکو

جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری — کہا لیلیٰ نے کہ بس بھی ماریگی اماں مجھکو

وصل ہو جائے چپڑ اس لئے کرتا ہوں فقط — ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو

اے ذکی گر گئیں نزلہ سے جو اُن کی پلکیں — نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا ساربان کے لئے — کہ بھیا جلد نکل چل شتر کو ہانکے لئے

نہ اُچکے کس لئے صیاد بانس چھوڑتا ہے — یہ کوششیں ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے

بھنا دئے نہ چنے بھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس — دو وقت دوڑے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے، نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت میں سستی اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظہ نے چند شعر محفوظ کر لیے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لیگیا	وہ بت کل مصلا اڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے الکے ہیں ہم	بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

بھوکے عاشق کے واسطے ذاکر	گال سے شیرمال اچھا ہے
نہیں تخصیص زلف کی کوئی	آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ جلاتا بھی ہے	خوب قسمت سے ملا مجھکو کھلاڑی معشوق

باغ سخن میں آئے ہر چند عندلیب | روغن میں رنگ میں تو شبیہ غراب تھے
قند سیاہ گرچہ مقابل تھا تلخ کام | شیریں بیانیوں میں مگر پھر بھی راب تھے
تھا جامہ زیبیوں میں تو کچھ سرج کچھ ٹوئد | یہ سچ ہے وہ سپید چادر کے وہ آفتاب تھے
تھا تذکرہ تو پورٹ کا وہسکی کا بزم میں | گو مست حسن صورت و کیفیت شراب تھے
ٹیکی تھی لیڈیوں کی کمر پہ بھی خوب رال | گو بھی نقش بروں جو تھے لاجواب تھے
کرتے تھے حسن کی تو ولایت میں کورٹ شپ | بے پردگی کے باب میں لیکن حجاب تھے
ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں | خوبو میں ہر طرح سے وہ ڈنگلاب تھے

دیوانہ طالب علی نام تھا۔ بنارس میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ سنہ ۱۲۸۱ھ تک زندہ تھے۔

بندہ بے داموں بکا ہے آپ کی سرکار میں | شوق سے بیچو کھڑا کر کے مجھے بازار میں
مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھیڑا ہی کیا | گالیاں دیتے ہیں وہ دشمن کو ہر تکرار میں
ہو گیا ناز اُن کو اپنے حسن پر حد سے سوا | جو نہ کہنا تھا کہا سب ہمنے اُنسے پیار میں

اپنے مرنے کا کیا دعوی تو بولے ہنسکے وہ | بولتے ہو مر کے تم دنیا میں زندہ سیر ہو
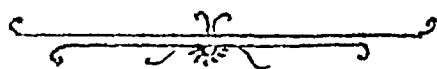
تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر صاحب سے مجھے مرزا واجد حسین یاس دیگا
سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مع تراجم
کے لئے ایک بیان۔ مدلہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر یہ معلوم کیوں جناب
نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام مرحمت کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد ایڈیٹر صاحب سرگ خیال
سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دورحی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور
ساتھ ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی
ان کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ انہوں نے بھی براہ اخلاق وعدہ فرما لیا
مگر اس کے بعد اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہو گیا۔ لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس
ہیں انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے
ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں
اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی خیال
مسخروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اسی بارہ میں دو شعر کہتے ہیں۔

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں — اس بات کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے — جانور کے سر پر تاج اچھا لگے

مرزا ڈھیٹ اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ
داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر
المامور معذور نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

ہائے کہ داغ بیٹھے میں ایک ہی چلبلے تھے — اٹھنے میں دیکھئے عمر بھر جا بجے

چھپی ہوتی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہتے۔ اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا۔ وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا۔ ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھیپا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے۔ کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا۔ کہنے لگے کہ بس اب دوپیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا۔ اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں۔ چنانچہ اتراک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف۔ النامہ۔ ملانامہ۔ یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ گھونا	ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے نک چھکنی ہاتھ لکر	تیں تاک شیخ کیتی ایسی طرح ملونا
تالی بجی ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے	رم ور بغل میں بھاگا لے اوڑھنا بچھونا
دوپیازہ از دل و جان قربان چرانا تم	جوبن لے مدھو کا ماتا وہ سانولا سلونا

پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے	ملت ہیں تن بدن پر راکھ بیٹھے
نہ دوپیازہ کی دلداری کرت ہے	مگر صد گونہ ہا خواری کرت ہے
دوپیازہ اب نکس ہنڈیا میں آئے کے	مکھی کے ہاتھ پھنس گئے جانے جائے کے

دوزخی۔ لالہ ہرچند نام ہے۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انگریزی میں ایم اے

کاگ اڑاوے بیٹھے ٹانڈ　　پھیر گوپھیا کھدے سانڈ
مچان پر بیٹھ کر کوے اڑائے　　گوپھیا پھری اور سانڈوں کو بھگایا
سب سوں بھلے موسل چند　　کریں نہ کبھی بھریں نہ ڈانڈ
سب سے اچھے موسل چند　　نہ کبھی کریں نہ ڈانڈ بھریں
سناں تیرے بڑے لوک　　ایک سیں ماں میں دو ٹوک
سرخ آنکھیں بڑی ظالم ہیں　　ایک اشارے میں دل کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں
گورے گال مکا کے پھلکا　　جنہاں دیکھے بھاگے بھوک
گورے گورے رخسارے مکی کی روٹی جیسے ہیں　　ایسے کہ ان کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے
پاؤں جوتی سر تاپاگ　　ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ
پاؤں میں جوتی نہیں سر پہ پگڑی ہیں　　ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد　　مکا کی روٹی چنے کا ساگ
پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا کھانا ہو　　چنے کا ساگ اور مکی کی روٹی

دوپیارہ۔ یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے جس کے پھڑکتے ہوئے لطیفے آجتک زبان زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زیب اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دل چسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا۔ اصل نام ملا عبد الرحمن تھا۔ خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔ ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر مسخرا پن سرشت اسقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی رو میں آگئے تھے کوئی بات ہوتی کسی ہی بس اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر یہ اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے۔ ایک بات کہے لوگوں کو ہنسا ہنسا کر مرغ بنا دیتے اکبر کے جلسہ خاص تھے۔ مدام ملا راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ ہر محفل اور

پوڑھا نوسو یانی نوسی — بڈھاپے رسے بڑھیے ہاتھوں ہاتھ

بڑھا نوستہ ئی نوشی — اٹھالے رسے بڑھتے ہاتھوں ہاتھ

کرلے ری چمرو کی راج — اوہی چھلنی اوہی چھاج

او چماری کی لڑکی خوب راج کرلے — چند دن میں وہی چھلنی وہی چھاج ہے

موج مارلے سب مزے اُڑالے — جد لگ رہوسے کوٹھی ناج

عیش کرلے مزا اڑالے — جب تک کوٹھی میں ناج رہے

یو دلمیرا جنم کا بھوکا — کدہیں نہ دیکھا کٹھلے ناج

یہ دلمیر ہمیشہ مفلس ہی رہا — کبھی اس کے کٹھلے میں غلہ نہ دیکھا

چھوڑا رہو نہ چھوری ایک — رہے کمدم ادت کے اوت

کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی — مقدم یعنی چودھری صاحب اوت کے اوت ہے

کہدے رے پانڈے ساچی ساچ — مہارے کرم کی ریکھاں پانچ

او برہمن سچ سچ بتا — ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے

اب کے سیر د کرم میں کھول — بھرلو ناج سوں کوٹھے پانچ

پانچ کوٹھے اناج سے بھرلو

پابد اچھلو کھا کھا ناج — جا بد ہرنا بھریا کلانچ

ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو — جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں

کہے دلمیر جو پانڈا جھوٹ — سر پہ مارو جوتی پانچ

اگر نجومی اے دلمیر جھوٹ بتاوے — سر پر پانچ جوتے مارو

دہولے بلد کی دہاڑی پونچ — لاگے بڑی سہانڑی پونچھ

سفید بیل دہانی دم — بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا　　مارکے اپنی ناڑ گنڈاسا
تیری جدائی میں پیارے جان دیدوں گا　　اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں　　میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے　　میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے　　یو مہارا سارڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے　　یہ ہمارا سالا اوت بلاسا

آجا مہارے پاونہا آجا　　دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا　　جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے میت کسی کی　　پیت پچھوڑے کوٹھی ناجا
ایدوست کسی کی محبت نہ کرنا　　محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرو　　مہارے ہی اوپر دہونسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا　　ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑگئی
ناہیں رہو من بیری بس کا　　پر گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا　　اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑگیا
جد تیری پایل سیج بجے گی　　میں تو گوڈوں گاڑا ٹھاوں گا
جب تیری پایل سیج پر آواز دے گی　　میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں موسے ہوڑ بڈے گا　　تو نے لیلی ڈھگ بٹھاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا　　تو تجھے لیلی کے پاس بٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جڑ ہوگا　　میں تو سینوں مرمر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہوگا　　تو میں اشارے کے مارے مرجاؤں گا

قُران سر یہہ کہدا کی بانی — ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی

قرآن شریف خدا کی باتیں — اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہم کو سنائیں

پاپ کٹے اور پن سنوارے — ہو گئے مہارے کل نستارے

جس سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں — اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ مہاری ماتا — نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا

بی بی فاطمہ ہماری ماں — دین و دنیا میں ہمیں بخشش کرنیوالی

مہارے نبی کی پیاری جائی — جا کی سینک حوراں کھائی

ہمارے نبی کی پیاری بیٹی — جن کی حوروں نے سینک کھائی

باپو کی امت جن بکسائی — مالک سامنے دے دے دہائی

جنھوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی — خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے — امت کھاطر سر کٹوائے

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے — جنھوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی — جنہاں ملکوں دھوس ٹھائی

رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں — جنھوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی

کر دیئے لکھوں نیم کے بندے — نرمل ہو گئے ماڑنس گندے

لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے — ناپاکوں کو پاک کر دیا

لکھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا لک ہے میرے مالک — تو ماں باپ ہم تیرے بالک
اے میرے مالک اے میرے مالک — تو ماں ہے اور ہم تیرے بچے ہیں
ساتوں ساگر دنوں بچا ہوئے — تیرا انت کوئی نا پاوے
ساتوں کو بھگو سارو الساحہ لمبی کو ند کر دینگے — تیرا بھید کوئی نہیں پاسکتا
تمہا تھاڈا کون ہے دوجا — جا کی جگت کرے سنگ پوجا
تمہارے جیسا دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے
تو ہی لاوے سنگ ملارا — تو ہی ہوا دے بوندا جھارا
تو ہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — تو ہی ہماری کھیتی اور بوندے والا ہوا کا بانی
ہے میرے صاحب کھس ہارے — پہاڑ سے کھوٹے کا گد مارے
اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمال سے ہی کے پاک کردینے والے
دلبر اسے ہے تیرا داسی — تو ہی دیکھا مالک ماسی
دلبر تیرا غلام ہے — تو ہی اسک تاری ماسی روٹی دیتا ہے

نعت

ہی محمد رب کے پیارے — جگت پر جا کے راج دلارے
خدا کے پیارے رسول محمد — تمام دنیا کے سردار
رب کے بھیجے جگت میں آئے — ہماری کھاطر دیوا لائے
خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے
جس دیوے نے کھولو اندھیرا — کرا اجالا جگت گھیرا
اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اجالا کافی ہوگیا

کے دلدادہ تھے - مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے - اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو - چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدّی - گوجر - جاٹوں کے روزمرہ میں شاعری شروع کر دی - اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا - مگر دلیر نے اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے - اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا - دلیر کو انعام اور خلعت دیا گیا - بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی، اس لیئے اُن لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا ۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے - مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس رنگ کو ترک کر دیا - پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں - غزلیں - قطعے - مثنوی - سبھی کچھ کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہو گیا - اور اپنی زندگی ہی میں طبع کرایا - آخرکار ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کیا - انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مرادآباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں - کیونکہ دلیر نے صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی - بلکہ اُن کے طرزِ تکلم - اُن کے طریق معاشرت اُن کی وضع قطع - اُن کی صورت آبادی اور بود و باش - اُن کے جذبات - اُن کے اطوار اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے - یہ ایک انتہا سے کمال ہے اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اُن کی معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو - اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں - مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت اندوز ہو سکے گا - اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھیئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

دینگ - حافظ سراج احمد نام تھا - مراد آباد کے رہنے والے تھے - مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے - تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا -

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا　　　کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

ڈگانا تخلص تھا ریختی میں - مگر متین اور عاشقانہ کلام میں منجور تخلص کرتے تھے منشی اسد اللہ نام تھا - علی جان کے عرف سے معروف تھے - مقام چھپرہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے - ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلی تھا - مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ ترک وطن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی - اور یہی قدیمی وطن ہو گیا - چنانچہ ڈگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے چھپرہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیجدیا - اور یہیں تعلیم پائی - ڈگانا کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثناے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے - کلکتہ میں اسوقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بہ عہدہ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر مامور تھے - چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور منجور تخلص اختیار کیا - مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا - اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں -

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے　　　صحن میں پاکے بے حجاب مجھے

مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے　　　پھر لیا زانو دمیں داب مجھے

منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں　　　کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں ہو گئے اس وقت وہ سن کر پریشاں اس قدر
میں شتر غلہ کا مسمی ہوں یہ کہتے تھے ولے کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں مستی ہا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے کر رہے تھے گفتگو باہم مگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
کہتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح اُس کی باتیں تھیں نہایت پُر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیاح نے میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے سوچ کر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُس سے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں خدمتِ زمزم میں بھی گاہے گزر
سُن کے اُس کے منہ سے یہ سیاح نے سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں روز حاضر ہوتا تھا وقتِ سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو شہرے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ اور کہا تم کو نہیں یہ بھی خبر
اک کوئیں کا نام ہے زمزم وہاں آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات تب کہا سیاح نے تو جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی ہو گئے ہوں گے کنویں اب کیا خبر

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷۔ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۰ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون سنہ ۱۹۱۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے۔ ۲۴۔ برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے۔ اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گیا۔ قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لیے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا۔ انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے۔

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم | آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے
یہ جھوٹ اور ہمسے بس اب ہنسنے دیجئے | ہم بھی تو رات جھانکتے ہے تھے دار سے
سُن کر پیام بر سے مرا نام یوں کہا | وہ ہی نہ دُبلے پتلے نحیف و نزار سے
معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب | یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے
خود مجھکو تجربہ ہے بس اب اور کیا کہوں | خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

کیا بُری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جس سے آدمی | آپ کچھ کہتا ہے منھ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک منشی سے شتر خانہ پہ جو مامور تھا | پوچھا اک انگریز نے نوکر ہو تم کس کام پر

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے بعد کو ماتؔ تخلص کیا اور متین شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ
میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵ برس کی عمر میں [illegible]
میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب تشنیدؔ برادر خورد پیارے صاحب رشیدؔ مرحوم سے
اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد علی صاحب علمؔ کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں
محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں
شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج
ہوتے تھے۔ وہ کیسے ہوتے چند الفاظ تبدیل کر کے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔
میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا جو ہنستے وقت نہایت بدنما
معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منہ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام
ضائع ہو گیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں گم اُنگلی لڑکی کا — وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہو گیا

خندہ ۔ میر شجاعت علی صاحب نام ہے ۔ بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے چند شعر کلام سے انتخاب کئے جاتے ہیں ۔

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھکر آیا　　کبھی پسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا

پھونس سے یار کے جاڑوں میں تپایا شب کل　　کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا

اپنی گھوڑی کو جدا کر اے مرے اے شیخ　　ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو　　ڈالدو کھاری نمک تو خوب من بھر شیر ہو

ہے پرستو شیخ صاحب کی یہ اب تو تیر ہو　　پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں اک تیر ہو

کیا کوئی چھیڑے انھیں پر کیا لگائے کوئی ہاتھ　　ناک کے پکڑے سے جنکے پھوٹتی نکسیر ہو

ہی وہن کا نسکے بوسہ ہے سودا کا علاج　　جس طرح اے خندہ علی کی دوا اکسیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے　　گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے

لحاف اوڑھ کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے　　کہ جب نکاح کے دن آن کے تین چار رہے

لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں اُسے　　مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ پہ رشوت کے　　لوگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے

سینہ پر مار کے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں　　ڈھول پیچھے سے بجا کرتے ہیں تاشے پہلے

خنداں ۔ عبدالحمید نام تھا ۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔ ان کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آکر رہے ۔ مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہو گئے ۔ خنداں مرحوم اور

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت — کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت — نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کسے فیشن سے بتا میں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے — ہوا میں بھر رہا ہے دون میں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے — اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پُرانوں کی وہی چالیں پُرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

یونیفیشن کی ایسی چڑھ بنی ہے — سٹک ہاتھوں میں پاکٹ میں منی ہے
سخی کا لال قسمت کا دھنی ہے — وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی بیٹھے غل مچائے
مثل ہے ایک چپ سو کو ہرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں — کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں — پُرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرمائے ہوئے ہیں — پری کے سایہ میں آئے ہوئے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں — محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

حرفِ خا

خضر سرداری ایک تومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ خوشی و محور میں اپنی زندگی گزارتا تھا شعر بھی کہتا تھا مگر وہی اوباشانہ رنگ مد نظر رہتا تھا شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا عرصہ کرنے کے تخلص کو دیکھتے ہوئے مثل پورے طریق سے اس پر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور
عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بریں اگر رسی ہست مدہ — زد حرکہاں رند سرمست مدہ
موئے سر زلف امرد از کف مگذار — سر رشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رحیمی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ رنگ ریختہ کا بڑا شوقین رنگین مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن کی ترتیب سے پہلے مرچکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سلطان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے ان میں کا ایک یہ شعر ہے:

داہو مہ پاپ شپے ہے پیچھے ستدا بہرچان کے — ہائے حق یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں استعداد علمی معمولی ہے مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی حیدر ریحان کیمی اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا — سب لے پوچھئے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن — کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مارڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر — شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے — کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد و گلچیں نے ستانے کیلئے — باغ میں ٹو لیٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ پیدا دل شیدائی میں — ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں
دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو — پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نئی روز لنگوٹی باندھوں — ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو
آکر چڑھی ہے سر پہ جو بھتنی شباب کی — وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم — بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
یہ عذر کیا اُس نے اور جانے کی ٹھہرائی — دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چرپائی
پہلے سر زانو پر اک زور سے چپکائی — دیکھا جو اُدھر اُس نے بندہ ہوا ہرجائی
جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی — تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیبیاں کرتے
ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز صبح تک — مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے
چراغ میرے لحد کے بجھا کے جاتے ہیں — عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں
پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہے شب — اور بچا کو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
وندنا کر گھس گیا میں محفل دلدار میں — منھ جو نہی پھیر لے مجھے دربان بیری دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں اے حکیم — یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

پھانکڑے میں تیرے جو پھولوں کا ہار ہے ۔۔۔ سمدھن تمہارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوئی ہے ڈھیٹ سی گر کروں سیدھی جیسے تو ۔۔۔ گھونگھٹ پہ آج اس کے سمدھن ہوا رہے
سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی ۔۔۔ آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے
سو کھا ہی اس نے یار اُتار ایرقس کو ۔۔۔ سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدھن مری یہ ستم ۔ لگا دست کو دلا ۔۔۔ لائق تمہارے سمدھی کے گر یہ کہار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع امداد اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علمار فرنگی محل سے ہیں قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طبیعت ملنسار خوش خلق ہیں دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں مگر رنگ ظرافت طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ سے ملاقات فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل روانی میں سر مسابقت دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی اگر یہی مشق سخن جاری رہی تو مستقل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا ۔۔۔ لساں بھی بے لساں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

وہ جو بچپن میں چالاں ہلا جو تھے ۔۔۔ سیکھے ہم ہم جو چلے چھوٹتے بیچارے سے
لا سکا کس علاؤں گا میں کچھ پیاں ۔۔۔ مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے پیالے سے
رہ گئے دست حنا رو کے وہ اک دن ۔۔۔ ٹھنڈوں ٹوں بچہ کا عاشق کے نالے سے

اور غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۷۴ء میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت
زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

کبھی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے — کسی عیار نامحرم کی یہ چیالاک دستی ہے
تمھیں صورت کا غرہ ہی تو یاں دل کی محبت ہے — تمھارا حسن مہنگا ہے تو کس کی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی — اب تو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے
ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا — کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستے باز تھا
دیتا جل بے دیتا جا لیلی کے کتے کا کفن — چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تا دے قیس سے پرند کو — ناقہ لیلے بھی اک کھوسٹ کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے — ہٹیے ہٹیے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر — اچھا اچھا کوئی لے دیجیے خرگوش مجھے
گالیاں سنکے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں — اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اسکی بھیانک صورت — جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
اُن کے ہشیار بھی کرنے کا نرالا ہے چلن — کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
رو کے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف — آپ لا دیجیے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے
تیس چالیس برس ادھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے معاصرین

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ — کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جسوقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں — سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال — تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب ٹلتے ہیں ٹل — اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا۔ جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر اب دولت کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اُسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخر الدین رحمہ اللہ کی داڑھی میں جمعہ اور منگل کو خطاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے   تو اور بھی اُسے دیتا ہے اشتعال ہشیار
سنی یہ بات کہ ہوتے ہیں جو طبیب سلول   جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ عیب جائیگی خطا پہ پر   کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

رہا کہتا تھا جاں ہے دیں پہ قرباں   پر آ کا جب امتحاں کی دو دیر ایماں
کی عرض کسی نے کیجئے اب کیا ہے صلاح   فرمایا کہ جائے جان جی پر تو جاں

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا   یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر   اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر   یاروں سے کہا معلم نے ہنسکر
باقی رہے گا کوئی انساں میں نہ عیب   ہو جائیں گے چل چلاکے عشر

اک شخص مسرف نے یہ عابد سے کہا   کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ   محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا

جب تک کہ نہ ہو خود شمس الخواں پکا   ہوتا نہیں مومن کا ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے   سنتے ہر کسی کو جب مسلماں پکا

ہیں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم | اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا

کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا | جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا

کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے | نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا

باڑی[۱] گئی یہ ایک برس نیل کی رَو میں | یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا

فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون | ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ | قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا

گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے | ہے جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آ آ کے جو لوگ | تمھاری ہر دم اے ارباب دولت

خوشامد پر نہ اُن کی پھولنا تم | وہ گویا تمکو کرتے ہیں ملامت

کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک | نہیں انمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر | مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بری گت

لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج | واں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت

فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار | قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و مکنت

اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی | سمجھو کہ ہے اس ملک پہ مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے بشر کو ملال | کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

---

[۱] دلّی کے نواح میں باڑی خصوصًا کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

ایک مسٹر نے یہ مس صاحب سے کہا
کب تک اے ناداں یہ جنگل و در
تو جو یوں رکھتی ہے دولت جوڑ جوڑ
ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
ہنسکے مس نے کہا اے سادہ لوح
زر لٹاتا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا بنصیب دشمناں
آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ صاحب نے ایماں کی جو کی تعریف
ہوئی جماعت سے اسکو بہت امتثال
کہا فقیہ نے اقرار باللساں ہے جزو
جہاں ہو آنکی تصدیق بدل اعمال
کہا کسی نے کہ تکلیف امر و نہی اکثر
بس سرور عقل کا ضمیر کا کمال

کہہ رہا تھا اک ارسٹوکریٹ جیمس ہلیب
دوست رکھتے ہیں ہر محفل میں انکے ہمراہ
انکو حاجت ہے اعوان ملا و اشرار
پر انہیں ہوتی ہے دائیں ہم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس سے قوم میں اور تکمیل
اسکی دنیا ہے ہمکو کر گئی عزت و جاہ
ملا داں کے لئے قلعہ حدیق الحسل
یہ عید آنکی کے لئے فرح ہے لشکر و سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ تو فرمایا
کیسہ اور اس قدر اسباب یہ کرتا ہی گناہ
اتفاق اور نفاق اہل میں کچھ مضر نہیں
دست صدر کے ہے دست باہم سعید اور سیاہ
واں یہ ملت کی صورت ہے کچھ قوم کا ڈھ
ڈگئی عقل کی مولا کے ہماں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ ہے ساتھ اگر
کردیں اولو پر اگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
اسکو حق کیا ہے دیکھا ہی حجوں کے ہمراہ

بادل نے کہا مصر لنکا ہاتھ جب اسکے
فرعون کا تھا مصر ہی نے مصر چلایا
وہ حظ ملعون تھا یہی جسکی بدولت
تھا دل میں خدائی کا خیال اسکے سمایا

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا — تیر آتا جگہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی — رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودہ پہ ہو کے جا بیٹھا — لوگ کرتے رہے چنان و چنیں
ناوک انداز بولا جھلا کر — کوئی تجھکو جنوں ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا — جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی — کہیں جاں دار کو اماں نہیں
مجھکو ہر بار کے شش جہت میں حضور — امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر — سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں سے اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ — کس لئے سید سے صاف اے حضرت والا نہیں
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ — اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب یہی — پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے — بات یہ ہے حسن اے صاحب تم سے کچھ پردا نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں — بلکہ سارا کوفت اسکی ہے کہ میں ویسا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال — انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش — پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار — چھٹ جائے تاکہ مجھسے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی رو کے بھیک — آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کا مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پہ مدار — منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

کیا ہے کہ دیکھنے والا ایسا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں گویا کہ

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکلے　　　　جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکلے

وہ لوگ کثرت سے ملیں گے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ملمع سے سخت غلطی کی جاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ ان کی ظرافت کو گدگدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہم نے رندانِ جوانی کی بہار اگرچہ　　　　طبع رنگیں تھی مئے عشق کی متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں　　　　جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اس کا باعث ہے نہ یا ہے جوانی نہ امنگ　　　　سر سے سودا ہے نہ عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر　　　　وہی بیہودہ مضمون سمجھانے والی
ہاں اگر کہئے کچھ عشق کا غیر دیکھے بیاں　　　　لائیے مانگ کے اوروں سے اگر کا ڈالی
کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر　　　　کیجئے درد جدائی کی کبھی نقالی
پر یہ ڈھب ہے کہ کسی اپنی ہی ہو یہ مثل　　　　قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو　　　　تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیرزادوں میں　　　　لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی　　　　ہو گیا تھا ہنر کا اسے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں　　　　جتنے تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف　　　　کر رہے تھے بھلے و شادی تحسیں
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال　　　　وجہ تحسیں ہوئی نہ دل نشیں

حضرت حالیؔ

حالی - خواجہ الطاف حسین نام۔ حالی تخلص۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلۂ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہونچتا ہے۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہوگیا تھا اور اس کے بعد ان کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری ہوا۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے ان مشہور اہل قلم میں شمار ہوے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا۔ آپ کے مفصل حالات جابجا لئے ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے۔ جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا۔ جس طرح ان کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کرکے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا۔ مگر ظرافت کو پھکڑپن یا ہزل گوئی۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود رکھا۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنادی جسپر سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں۔ جہانتک غور کیا جاے مزاح اور خوشدلی کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے دھول دھپہ پنڈت میں مولوی میں — اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں
کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر — چاول پکا کے جا کر مرگھٹ پہ کھوپری میں
تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا — الو نہ بول جائے دنیائے عاشقی میں
خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو — میری تو عمر گذری بس نو ویکنسی میں
سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن — اب ہر ہوس کا بندہ آ جائے گا کمی میں
صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت — تہذیب نو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں
وہ دن بھی آ گیا ہے نزدیک اب کہ جس دن — دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں
اللہ کا کرم ہے اسے چوچ تجھ پہ ورنہ — یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپری میں

چرخوش سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اُناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپ نے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے — شام ہی سے جو درد لبر پہ سو جانے میں ہے
چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی — کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے
کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے — زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مر جانے میں ہے
نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک — یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے
اسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل — اک سرا دوزخ کے اندر اک سر تھانے میں ہے
مردوا وہ رو رہے عورت بنی ہے نرنما — فرق اب باقی زنانے میں نہ مردانے میں ہے

کس جرم پہ جلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری — دکھلا تو لگا ہے تری کھچڑی میں کہاں داغ

دل بیٹھنا کیسا مری جاں لیٹ گیا ہے — اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

مبروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے — دل دیتے ہیں جو نہ میں دکھاتا ہوں جہاں داغ

فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم — المختصر اے یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن لپٹ گلے لیٹا وہ مجھ سے دوڑ کر — جس طرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک بورا بھر کے بیٹھا ہے کوہکن — ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق — بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پہ عاشق

جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت — کھچوائیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد — معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق

یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر — شغل مے نوشی میں کہتے ہیں کہ ساغر سے الگ

رات بھر رہتی ہے کھٹر بٹر ڈوٹتی ہیں رسیاں — اے چناں ہاں وہ کو بند ہوا تے نہیں سے الگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل — گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل — اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قاتل

تھک گئے ہیں لپٹتے ہیں یار ہم — کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا — کل چرا لائے تری تلوار ہم

رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر مٹر — بیچتے ہیں یہ در شہوار ہم

رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح — وہ رہے اس پار اور اس پار ہم

قصر دل کی کچھ مرمت کا ہے قصد — مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں — ناک بھر رہنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق — ڈال دے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں اڑے جام شراب — چلکے جھولا ڈالئے کچنال میں

کل یار کے گھر جاؤں گا گو ٹڈوں کا ہے وعدہ
کھانے کیلئے بھوک کے لگتا ہوں بھل کی طرح

صحرائے عشق میں ہمیں مجنوں سا شکستہ پا
منزل تمام کرنا ہوا تیمور کی طرح

پنگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے
چلنے لگا ہوں چال امیفور کی طرح

دیوار یار میرے گرائی ہے دوستو
اینٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح

ماس کریں گے آکے ملیری پاپ سے
کنڈوں کے ڈھیر کر دیے میں لطور کی طرح

دیکھا رہ ماکیاں جہاں کو کبھی کڑک
اٹھ رہے گئی وہ امیفور کی طرح

راضی ہوں سر کا درد ہوا ہو جگر کا درد
سب جھکوں مجھے دو حلاوے سکر کا درد

میرا خیال ایک نقطاب کو نہیں
حیراں ہیں سا بھی ہو رہا ہے وہ کوثر کا درد

چولہے سے چپکے ہیں لیکن ان کے منہ میں چھالے
بھولا ہوا ہی پڑا اگر ادھر مسور کے اندر

پاروں کے نام سے وہ پکا ہے میں چیچ
تار ہو رہی ہے دلوار مسور کے اندر

مار کے روئے محلوط کے درس کچھ حال ہیں
تیج آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس

جو بنائے تھے مکاں یار حاص
مر گئے افسوس وہ معمار حاص

دوسرے حیاط کی کیا جان ہے
سی نہیں سکتا ری شلوار حاص

ہو گئے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا
لاحول سے غرض ہے نہ سلطان سے غرض

کھد جائے گھر صنم کا پہچاں گر تو خود ہے
دستی ہیں یہ انہیں تو ہے میداں سے غرض

ممکن ہے بھلا یار کی فرقت میں کہیں صبط
کھیچ آتش ساتیں ہیں کروں کچھ بیاں صبط

گر حسن محبت کے خریدار نہ ہوں گے
ہو جائیگی ساری دل عطر کی کان صبط

جس طرح سے چھپے گئے مختار محل کے
ہو جائے اکی دل عطر کی کان صبط

ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ
ڈرتا ہوں ہو جاؤں کہیں میری جان صبط

آتی ہے اصل مر جاؤ گھر گھر ملنگے
پر ملاؤ میری تربت پر جلنے پاؤ شمع

بڑھی ہی صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری — جبار ہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے — نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہی یہ اُسکا مُنہ بگڑے یارب — چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی — کٹھل ہوں باغ جنت کا دھتورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب — اور انڈے بچے بچھو ہیں دو روز بیلے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں پکنے کو ہیں برگد کے پھول — دیکھنا ہو جائینگے کو دواں کے ریلے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اُس کے آشیاں کو دیکھنا — آج پنجرے میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ — نہ ہیں اِس پار نہ اُس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر — اب تو مجھسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب — نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات — در پر رہی کسی کی سواری تمام رات
گائی جو آکے اُن کی کہاری تمام رات — ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں — اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

نہیں تھیں سرخ مرچیں گر تری تلوار کے پھل میں — تو کیوں منہ کھولتے ہیں زخم دامنداز کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہوا مجھکو خلل آج — اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

پادے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا — مجھ میں اسی رنگ سے شاگرد ہوں مستو کا

وہ مار ہی رہوندے سے جو کس کی گو گا پڑے — میں بھی اب مسعود ہوں حاکر الہ آباد کا

خیال ۔ اس تخلص کا ایک قلمی دیوان میری نظر سے گزرا جس کے متعلق تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ غالباً آغا صاحب نفیس کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ مگر ثقاہت کے استعمار بصداق وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر سعدی ادری۔ مقصد اکمال وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ استادان کاملین ریختہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کلام کا ایک جزو سمجھ کر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی اس زمرہ ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رساں نہیں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو۔ مگر کلام کی پختگی اور صفائی بار بار مجھ کو یقین دلاتی ہے کہ کسی نومشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا ظرافت کی برجستگی برمحل محاورات کا استعمال ہر محل ہر ایک دیکھنے والے سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے۔

اثر کھا بار غم جس یار پرفن کا — مرے پلنگ کا کھٹمل بنا کئی من کا

یہ نامہ رہے پتہ میرے یار پرفن کا — کہ آسکے در پہ لکھی ہوئی بہت سگوں کا

گلے میں ڈال دے میرے غنی عشق کا پٹہ — کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا

دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے — نہ کیوں گماں ہو دل سوختہ پہ انجن کا

کرو علاج اگر سر میں بال ہو رہے ہیں — لگاؤ تیل ہمیشہ سے تلخ روغن کا

بیت الخلائے یار میں کیا غیر جا سکے — دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر خشک باغباں — تھالوں میں گو پڑے جو مرے گلعذار کا

کیا کہیں تجھسے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی ہگو — پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

مجھسے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا — رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائر ذکر دم مدح عنبر بھی — گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے — پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیئے پاخانہ آج

خواہش آرائش گیسو ہے چرکیں یار کو — چاہیے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے علل — ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے اُسکے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے — گو اچھالے گا بہت چرکیں اپنے نام کا

سُنے گر رستم دستاں تو ہگ دے مارے خطرہ کے — غرض اظہار کے قابل نہیں ازہال اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب — پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخ صاحب سر مبارک پر — ق — یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں پھبتیاں اسپر — لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب

اب کے چرکیں جو زر کماؤں گا — پائخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پر کبھی جو آؤں گا — سیر دریا انھیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جو اب کے جاؤں گا — موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہوگا میں تیرا عاشق ہوں — گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوانو ضعف پیری پر مرے ہنستے ہو کیا — آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا ہو جائیگا

روز و شب ہگنے سے تم اُسکے خفا ہوتے تھے — مہتر و خوش رہو چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلیٰ کے اسفل سرکشی کرتا نہیں — سامنا پھُسکی سے ہو سکتا نہیں ہے پاد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بُت کا پسیجا تف ہے — تھا مگر گوز شتر نالہ دل ناشاد کا

سمجھتا ہے اُسے گوز شتر بیدِ محمل میں
پئے جمازہ گر مثلِ جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو قارورہ ملا ہی اسقدر اُن کا
مصاحب جانکر بیت الخلا میں یاد کرتے ہیں

اٹھائے گو مرا کیونکر نہ مجنوں شق حسرت میں
سعادتمند لڑکے خدمتِ استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کر دیا مجبور یوں مجھکو
چلا جاتا ہوں ہگتا پادنا جب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے
رغبت نکرے گو پہ کبھی زاغ کماں کا

سُدّوں کو کیا بول سے اگر دیجیئے تشبیہ
پاخانہ میں عالم ہو گیا بالی کی کان کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں رہنے نپائے
مہتر کو یہی حکم ہے اس آفتِ جاں کا

پھر گفتگو سے بو پہ لگی آنے بیچ میں
پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا

گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال
بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تونے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا
گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ
گوز اک تونے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے متوڑا طفلِ اشک غیر دامن میں شلے
موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں

پاد اونی سا ہے چرکین نالہ سے بولا وہ شوخ
دب گیا ہوگا وہ گھورے کے خس و خاشاک میں

موت کے کہتا ہے ہمسے اپنے کوچے میں وہ گل
اس روش کی آبجو کوئی گلستاں میں نہیں

چرکین غرض نہیں گل و گلزار سے ہمیں
مطلب ہے پائخانۂ دلدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرضِ حال تو کہتا ہے گو نہ کھا
ہوتا ہے دردِ سر تری گفتار سے ہمیں

کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے در پیدا
تو بھی چرکین چلن نیا پدوں کا کر پیدا

گردنِ شیخ پہ رندوں نے رکھا بارِ گناہ
کھاد اٹھوانے کو اچھا کیا یہ خر پیدا

گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بول
صوفیا ہوش میں آ عقل و خرد کر پیدا

کوچۂ یار میں پھولا ہے جو گو کر مُتّا
بلبلو ہوگا نہ پھر ایسا گلِ تر پیدا

اُسکے رتھ خانے کی دیوار پہ کہگل کیجئے
لید گر ثورِ فلک کی ہو زمیں پر پیدا

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا
حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گوگا پیر
کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے
بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی کوڑے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے
اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور بُرا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے اُستاد بے بدل تھے۔ گو انہوں نے
کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا
دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت
مشہور اور اپنے اُستاد کے رنگ کے مشتاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا حیض
تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں
درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے
بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی
صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے
انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں
بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی
صرف کئے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو ہاتھی بھی ہو گی اکدن گو ہی گھر آبدست — مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک
گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار نجس اس ترک کو — لینڈیوں سے بندھ گیا ہے شیر لباں کا تپاک
موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو — برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک

جب سے بڑھا ہے شیخ کا مہتر پسر سے ربط — بدلا ہے گو ہاتھی چھچھی سے اُن کی قبا کا رنگ
پاخانہ اُسکے فیض سے رشک چمن بنا — گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

طواف کعبہ کر کے بھی مقدس جو نہیں ٹھہرا | خر عیسیٰ نہ ہوگا میر جی کی وہ گدھی تھی

ورے یہاں کے لئے ہے پرے وہاں کیلئے | یہ کہاں زباں کیلئے ہے زباں یہاں کیلئے
کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے | میں صاف کیا کہوں تجھ سے کہاں کہاں کیلئے
لگائے یار نہ جوتہ تو دل درست نہ ہو | یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے
میں چھلکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لیٹے | بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے
ہزار عاشقوں کا خوں کیجئے لیکن | کہاں وہ بات جو تھی تیس مار خاں کیلئے
یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے | دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جو بندہ یا بندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص۔ مگر او دھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمایئے۔

دل سوے دلربا روانہ ہے | واہ کیا منقلب زمانہ ہے
جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق | مرد عورت میاں زنانہ ہے
جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن | میری شیریں کا وہ دہانہ ہے
آجکل کے حکیم ہیں عطار | سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے
مسی اسدرجہ گہری تھوپی ہے | اُن کا منھ کالا جیل خانہ ہے
غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال | دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے
جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق | صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی — اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی

کھاتے ہیں قلابازی ہیں چھٹتے تماشائی — کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی

جب پردۂ محمل سے لیلیٰ بھی تماشائی — مجنوں نے حماقت کی گر چونچ نہ دکھلائی

عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی — یہ کہتی ہوئی بھاگی مر دو نہیں ہیں قیس آئی

کیوں ہر کس و ناکس کے مردے کو جلاتے ہو — ٹھنگے میں نہ ملجائے اک روز مسیحائی

وہم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت میرے — وہ بیٹھ گئے اٹھ کے جب چھینک مجھے آئی

کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں ہوتی — اللہ کرے اسیر عاشق ہو کوئی نائی

یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں — تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی

جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو — آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منھ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے — داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے

صیاد کا بندہ ہے کہ ہے جگنو کا دشمن — اللہ کرے گر پڑے پھنگی پہ یہ جا کے

جو آہ مرے صبر میں حاجت ہوئی اُسکو — بالائے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے

دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک — رکھتا ہوں میں کیل غم میں جو تجھ لگا کے

کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے — رہتا ہوں در یار پہ میں گھوم کھا کے

جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ — دیتا ہے اذان اونٹ کے کوہان پہ جا کے

جوکر ترے انداز ظرافت کے تصدق — رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا — بنجائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا

مقتل میں یہ کہتا ہوں دل سے کہ نہ گھبرانا — جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا

مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا — اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

مت برا مانیو جمیل اُسکا اُس کی گالی نہیں سہالی ہے

جوشش۔ ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا۔ مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے۔ ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے۔ اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۲۹۵ھ میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے۔ ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے۔ جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا۔

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا بولا کہ سا بے تیرا دستے ہی جنم گزرا

جوکر۔ حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں۔ گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے۔ مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے۔ آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقۂ شعرا کی انجمن ہے۔ آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں۔ اسوقت ۱۹۲۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہو گی۔ مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین جھامیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے۔ ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ گو ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ پندرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ جوالہ سے زیادہ ہے اس لیے حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز مسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر تذکرہ ظرفائے خوشمزاج ہوتے ہیں۔

رواں جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا — تو اک غبار دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اٹنگے پہ اُس ستمگر کو — جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آئے سینہ پیٹتا ہوں سر کو — سمایا مکڑی سے لیتی چوکیدار پھرا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے نباہا ان عشر کا — کہ شکل اپنی بنائے شکل ہو سکتا پھرا ہوں
کیا ہے کہ اک دن تو دو چوروں کو بیٹھے — اسی کے واسطے تنہا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے اٹکا کہتے کہ پستہ ہیں حقہ — کہ ہر اک کو دکھاتا حلوہ دیتا پھرتا ہوں

اُسے عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر — شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے — میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ — تری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب — اک جوابی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گناہ — اور الجھی رہے تو جالی ہے
تم عزیزوں کا لشکر آ گیا — اک نرالی ہی چھبی نہالی ہے

مٹک کر ناک پر انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غم ہجراں ہے یا پچاگن کی آتش — دل ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اسی دن سے مری چاندی کٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربتِ دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقا کے اڑنے لگا وہ ماہ لقا — اب حکمت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادۂ بیداد ہیں مچھر — نمرود سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحبِ اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شبِ وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہم نے شبِ وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہانِ ذی حسب — اوڑھیں گے کیا کفن یہ غنی ہائے باپ رے

محمد امین خاں بڑے سہار دھول | جو اس سے گئے چوکڑی مار بھول
جو شہداد خاں جی تھے شرع وار | یہ پیش جواں کھول ڈارین ازار

جوانی بگزرد درعسرت حال | بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں سخنداں | بداں ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زرگوہا اصفہان کے رہنے والے تھے - بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے -

از خرام آن صنم تنہا نیا ید ازمن آب | میکشد زاندازیک غربال از رویس آب
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ ہمچوں آسیا | می جہاند از منِ ناداں در حالت گرد یدن آب

جگت - جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری - ہے ہیں قریب قریب ۳۲ - ۳۳ سال کی عمر ہو گی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں - شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی ، اور مراعات النظیر خلاع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں - بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے - بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے - کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں - مگر عیوب کو فروگذاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے - وھو ہذا -

بڑے بعنسار ہولی کے جو بھیا ہمرے سن پائن | ملو اپھیج کے توا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر | بچھونا پھر رسوئیاں والے کمرے ماں دو بچھوائن

بر و صبر کن با بڑھاپا بساز — ازیں بیش کم کن پا بہ غفلت دراز

بڑھاپا بود مغفرت خواہ تو — رود تا لب گور ہمراہ تو

جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں — کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوط — در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد

دارد خبر از لذت حسب حباب عبادت — آنکس کہ شکم سیر بہت کھوہ نباشد

برتھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ منہ دل — خار شدے تو فردا چو سیہ توہ نباشد

بے سود بود توبہ بہ پیشیبی و بہ پیری — منظور چنیں توبہ پچھلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب — کٹا دے لڑا دے بہ فن و فریب

نقارے دماموں سے دھول دھول کیا — بہ سرنا و کرنا سے بھول بھول کیا

عجب اوٹ ایں کوٹ بیجا پور است — کہ ہر برج او مثل بہنہ سر است

چہ گویم ازیں قلعۂ سب لے لگاؤ — کہ انگشت را نیست در وے لگاؤ

لگا کوٹ کو مورچہ جا سے کر — نکالا سکندر کو اگلا سے کر

زہے بادشہ او بڑ و دیو بھوت — بلی و ولی نعمت چار پوت

ازیں تیں بیٹے نپٹ ناخلف — پسر خود خلف بہ وگرنہ تلف

وگرنہ چہ یارا حسن شاہ را — کہ گرداند امرے شہنشاہ را

مگس را چہ طاقت کہ با شاہ باز — بہ ہیجا درآید بود کینہ ساز

چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند — چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

جو تمھکو برا من میں جیتا کرے   عیاعب شتاب کے پالے پڑے
من ارمعنی چوں چولی دکھو سیم   پہ چوری سرا مل خنکو سیم
مرا طاق مکرا د کجا است   تن و توس آنکس جو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تین روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برد کر دیئے انھوں نے جو کچھ حسکایہ اثر ہوا کہ قمر النسا بیگم نے اپنے دیوان لمع علیحاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا۔ کا ایک شعر یہ ہے۔

دلائے بیس لیکن پانچ سکّے   لمع حساں کی آنکھ نکلے

مدح حسن معشوق

جعفر جو ہسی ماشہ دکریا نکی پلا   پر حسن تو حیدل گرمتار جو ہے سو
اتر آنا کانی در یعنی تساہل   اہر در مجھے مارہ اسے مار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

دریغا کہ جوں چیلا روس کر   اللے تللے کا گھر موس کر
ارے ہاے جوبن چلا جانے ہے   چہ چارہ کنم ہاے رے ہاے رے
مرا عشق و انکمیل پن ار تو بود   حب و رور الیل پن ار تو بود
طفیل تو بود اں کلیل چھلنگ   لیل تو بود ایں الول و ترنگ
جوانی رمن چوں شیدایماں   کہ گفتا در گوش ہو سم عیاں
کہ لے کل پڑو پیچ ہر دکھہ پان   توئی میربان و مسم مہماں
ہرائی کہ مہماں نگیرد قرار   کہ رائک شب ما دلا دو نکار

ہجو مرزا خدایار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار
کہ مرزا خدایار مارا پچھاڑ

کروں اب خبر شہر و بازار کو
لگی آہ میری خدایار کو

خدایار پر صبر میرا پڑا
کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا

بدست حریفاں گرفتار شد
بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد

چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او
چہ آواز پیزار و دستار او

تڑاتڑ سڑاسر لگی لاگنے
مٹک چال مرزا لگے بھاگنے

پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا
کٹنڈا اس کا تال گنڈا کیا

دریغا چہ صورت چہ دستار او
چہ پاجامہ چوڑیاں دار او

چو ایں ماجرا جان بابا شنید
دوا دو دوا دو بیاپے رسید

زہے جان بابا شرافت مآب
کہ کوا چھڑایا لگڑ بگھے شتاب

جہاں میں کروں آج میں بدمڑی
کہ گیدڑ کے منھ سے چھٹی لومڑی

خدایار مسکیں دہا دہم کٹا
بلیا کے نیچے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھوداس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود
کہ از عف عفش مردرا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سنو اے خداوند گیتی پناہ
تو ئی وارث و مالک تخت و جاہ

بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند
خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

ہلکا ہو گیا تھا۔ اور بجائے ڑٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہو گئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہاں چند پاپوش و چند کہنہ بزن
زانکہ ایں باکسے نکرد وفا بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پاے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اُردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنمیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جنمیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کیموافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ اُنکی نعت بھی اُن کے کلیات میں

دلاور مفلسی سب سے اکڑا رہ | نہ ظالم نے کسی سب سے اکڑا رہ
چکن اور زر کا چیرہ پشم کر دو | کٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑا رہ
اگر شلوار سادہ کسکو غم ہے | لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑا رہ

کی سختی سے بسا وجہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو
سے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے توانگراں تحمل آنشو رو ماسکے | شرب تند و کلاہ کج گرد و کرد و ماسکے
کج کلاہ و ترک شاہی عز و جاہ و سیل ناؤ | ما ملن لقرہ و درین کٹورہ ماسکے
کل شئی ھالک جعفر زبان زٔلہٗ | اس سنبھالے ٹل پھٹک الپھکڑ ماسکے

بادشاہ دکن اور نگ زیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفرنامہ لکھکر
قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی
نہ ہو سکی اسکے بعد توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفرنامہ کے یہ ہیں۔

رہے شاہ اورنگ دنیا تک علی | کہ در ملک دکھن پڑی کھلبلی
برآمد دعسکر بصد دھوم دھام | کہ ہلچل پڑی بر سر روم و شام
دہیں پیر سالی و ضعف بدن | مچائی دھما چوکڑی در دکن
رہے شاہ عنایاں کہ وقت دعا | نہ ہلد نہ ٹلد نہ حسد دعا
کمر بستہ ہسار میدان بر | تمسک دردو تیار گھمسان پر

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک ہماسے سامنے ہے
دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے تنکی چکٹ پر کر گئے | تخت اور چھپر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا
موا جدا کی یاد میں رکھا انہو نگی باد میں | مرزا گئیں باعدد مرا آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے بہرہ رہی آخر عمر میں تنگ

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم — چہل خانۂ موش ویراں کنم — دہ ہوگئے

جگر سازم از خنجر آب دار — بجلوا و جفرات ہنگام کار

اگر بر کشم تیغ تدبیر را — ببرّم سر شیر تصویر را

تہمتن منم گر کشم تیغ خشم — تراشم بہ دو ضرب یک موئے پشم

نہ آنم کہ بگریزم از گورخر — بہ گوزش کنم سینہ خود سپر — ذمیر صاحب نے

بہ نام و نشاں جعفر دردمند — چو گوز خر آوازۂ من بلند

فتد لرزہ از من در اندام شوم — کنم زیر پیوستہ در کام شوم

سر ہمسکاں بر سر دار بہ — نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ

بترسد دل شوم از شاعراں — چو از باز و شاہیں دل طائراں

چو بندد مرا شوم تھر تھر کند — چو از گربہ مرغے کہ کر کر کند

اگر بنگرد صورت من بخیل — گریزد چو از گرگان زاغ ذلیل

بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن — بہ سمت جنابِ سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کو کلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑگئے۔ دو نظمیں لکھیں جن میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

لشنو بیانِ نوکری جب لگا نٹھ ہووے کھوکری — تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے

ہر روز مجرا اُٹھ کریں دربار کیسو گر پڑیں — بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے

دس بیس مجرے میں گئے دس بیس بخشی نے لئے — دس بیس میں جھگڑے گئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

صدائی کردن در اقلیم گرداب پریشانی | دل وو من رفت در سیل سده در سیم لغلانی
نے وش گفتہ مصرع حسرا این اور بطرف | مرا کارے کرد تا قل کہ امروز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے میر جعفر کی بہت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانہ سرکاری میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ یہ بیچارے سپاہی تو تھے ہی نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں مرد میدان نہیں مگر حصہ کیا۔ میر اسوقت تو حضرت خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے:

من آن رستم وقت رئیس هم | که ده پا بزار است خود لشکرم
کم روان اندر جبانی به تر | بر آرم دمار از سر مور تیر
کشم گردن پشه را در کمند | مگس چند را من در آرم به بند
موشم اگر جوشن جنگ را | هزیمت دهم پشه لنگ را
به صد حمله بال مگس بر کنم | قطار دو صد مور بر هم زنم
اگر بر زنم پشه در دال لحاف | ز بد هیبت و خوف من در جهانی
بدوزم شرح ستان دو دورا | سگالم به چنگال حالو را
درین دور ثانی رستم منم | تا سایه گرد گران لشکرم
به هنگام ستم و ترود تلاش | کنم غرق انگشت در دال ماش
من آن پهلوانم که در دو نبرد | بر آرم به یکدست از چپه گرد
چنان لشکرم دسته تمام را | که بسازم خجل رستم و سام را

ان کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ انکے ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج وخندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم وفضل وفنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی ان کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایۂ ناز نظموں کا دار ومدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ ذیل میں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند ونصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفرا در جہاں معاذ اللہ　　ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند　　گرچہ عفریت واہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بہ کند　　آہ آں زن زلست مردک خر
آرزوے دلش بہ دل ماند　　خود بپے نان خراب ورسوا تر

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفرا بکیسے — افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفرا بکیسے
در بیکسی تا بودۂ با درد و غم آلودۂ — مفلس شدی دور از پدر کہہ جعفرا بکیسے
از جور آں سلطان خود کردی تہی ایمان خود — درماندۂ مال و پسر کہہ جعفرا بکیسے
اسباب ہم بداشتی تخم ہلاکت کاشتی — اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفرا بکیسے

اتفاق سے جس زمانہ میں پریشان روزگار دکن کی خاک چھانتے پھرا کئے کو [illegible]
پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو
غنیمت جانا اور میر کالک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا اسے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا
تھا۔ کپڑا مقرر ہوا اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا مجبوراً ایک منظوم عرضداشت
لکھی ؎

رحمان جہاں شاہ عالم شاہ — زبیدہ خوان رحمت داد خواہ
خواں پر چکس درما و ادار — بنی آئی مشکل ۔ دلی دیار
رکت کی جوں میری پاسی پھریں — کرجیاں دیکھاں مجھکو کریں
لو میر آپی پی کے موتی ہوئیں — نیچ دشمن مری ہوئیں
جواں مارتے مارتے شش جوں — وے لیک جویں ار مال بکم تنگ

معلوم نہیں کہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے ہوا دئے گئے مگر چند روز بعد افلاس میں
آئے اور وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر
ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی دستبردوں سے عاجز آکر کبھی چیں بجبیں نہ ہوتے تھے بلکہ نہایت کشادہ روئی
اور خوشدلی سے ان تمام مصیبتوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص
کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ
ہمیشہ اس سے تعریض و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

یہ ہجو اتنا مہا ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹل نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹا — تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو

تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی — یہ رنگ پتنگے کا اڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد وجنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل — دمبدم از دمدمہ جاں در خلل

توبہ ازیں مسکن روزن فراخ — روز و شب آوازۂ پس پھوں پٹاخ

توبہ ازیں مسکن پر شور و شر — مرحلۂ پر خطر و خوف و ڈر

پر خس و خاشاک بہ سر نوکری — نزد خرد بہتر ازیں نوکری

جعفر ازیں کوچہ دریں مورچھل — شرم حضوری بکن و اوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش — کہ گُجی بزد کرد یہ یحیی د بخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوئے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

ان کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی چونکہ وہ بھی ایک بڑے ہزال تھے لہذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور ان کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جس کے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انہیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اس میں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے ان جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انہوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے مطابق ایک جابر استاد تھے بروقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے لڑکے اس روز کی مار پیٹ سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر سے شکایت کی یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا جاں ستاں خنجر سنبھالا اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جس کو کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "موت ہزار نامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ بعد اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر جذبہ انتقام کی اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک ہجو نامہ لکھا جس میں مولوی صاحب کی پگڑی اچھال کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں۔

کہتا ہوں ہجو ملا کو مانند بیتی　　تس پر جیا کو کہ مجھے اس کی پستی

مشہور ہے یہ بات کہوے رسمی　　کچھوے کو شیخ جی تے دماری تھی پتہ

تس کا کروں بیان جو حال و تھی سی

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی — تا صبح کیوں نہووے چمن میں چٹا پٹی

آ مجھ نین میں بس کہ بنا ہے ترے لئے — پر خیمۂ سیاہ و سفید و پیٹا پٹی

پروئے کیوں نہ ہر اک بات میں موتی وہ جھتیسی — صفا دانتوں کی روشن سب مسی میں بتیسی

جعفر زٹلی - میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہر صورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس کاہے رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہونچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو فہو المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منھ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبد القادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نیک سیرت ساکت خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سُنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی بیدل نے اشارہ سے یہ بھی بادل ناخواستہ منظور کرلیا۔ آپنے کچھ مدحیہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے

ع - چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پشم۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلا کر

عجب طرح کی سنی دیکھے اس زمانے کے — نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر — کیا ٹاڑ گئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا — کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بجاتے ہیں مجھے باجی تمھارے ہاتھ پاؤں — گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مردوئے کھاتی ہو تمہیں تیسوں کلاموں کی قسم — تیرے بن پوچھے گئی ہو تمہیں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تو — پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ — بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

اپنے گھر وسے کی وہ جا کے خبر تو لیویں — اُن کے بہلانے سے زیادہ نہیں مکار کہیں

بیاہ خانم کا تو کر دینے کو تیار ہو تمہیں — باجی کوڑی کا سہارا انہیں لاچار ہو تمہیں

میں پڑی کیا امیر سے کے گھر میں — پھنس گئی بوڑھی بھینس دلدل میں

ایجان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب — اوقات مجھ نحتی کی ہوتی بسر نہیں

سید اکل کہے ہیں یہ کائنات میں — لیکن سمائی سب کی ہے نحوں کی ذات میں

مری ہی جاتی ہو تم مجھے عقلمند نہیں — میں بات چیت میں لقمان سے بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھکو نہ ہے بجانے کا — اسی سبب سے حسن مرا مردوے لیا نہیں

بڑھیا کے بوڑھے چچو چلو پیر مرد کیا مرگیا — اتری ہوئی کمان میں لے پرکے تیر ہیں

آنسو نکلی جب جھڑی لگتی ہے دم بھر ہے یہ — دل نگوڑا بن گیا جھینگر مگر برسات میں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں بھائی کرایہ کا مکان — چھپاولی کا گھر نحتی بیچ کر بساتی ہیں

خصم چھڑا کے موئے دل نے یار کروایا — کیا اسی نے ہے یہ راہ راد سے مجھکو

نہ جاؤ تم پڑو چولہے میں مجھ سے بھائی کو — لگے ہیں درد مرتی ہوں بلالاؤ دوادائی کو

الٰہی کوڑھ ٹپکے ایسی معلانی کی ہاتھوں میں — کرتے کو کر دیا غارت مری انگیا کے بازو کو

جان صاحب ہیں نہ ہونے دونگی بیچی کو سوار — دن کو کیا سوتے تھے لائے ہو سواری رات کو

ہے دوالی سے سوا آجکا دن آج کی رات گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منھ شام ہرن کا میں نے خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے اور رہ جاؤ بوا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہو دے میسر مجھے وہ کھائیں بھائی کو بھابی کیا ہے کمائی کی احتیاج

نشہ میں تاڑی کے جورو کو مارا بھٹر دے نے نکل گئی مری بچی کی اک کٹار میں روح

جیتے جی بندی کو اللہ دکھا دے سہرا مجھکو کیا لوگو جو گھر اُسکا بسا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں نبی بخش بُرا ہے داماد رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا سوت کا بچو نہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل بوا بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی ریختی ہے سخن میر اور ریختہ فتنے کو خوش کیوں نہ ہوائے باجی تور پر

جھجھر میں باجی ایک مسلمان تھا کمہار یہ حال اسکے گھر کے نظر آئے نہ ور پر

دلوایا تب برات میں مردوں کا فاتحہ لوٹے گھڑے یہ جیتی پہ ٹنکے مٹھور پر

نہ دیکھ دولہا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر نئی نویلی دلھن ہو بجی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا بابا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ جھیر نہ فرق اتنا کچھ اُن کے گھر میں بہیتی ہیں کروڑوں ہی نے بگاڑ ڈالے گھروندے ایسے نا بنا کر

لگائی سوسن نے ایسی مسی کہ جیسے لطیف نے کھائی کھچڑ کسی نے مارا ہے منھ میں پتھر نہیں آتی ہے پان کھا کر

خدا نے چاہا نہ ٹھنڈے پیٹوں رہنگی سوتن کسی طرح چند چلی ہوا دنیا سے جلتی بھنتی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب سیدھا اگر ہے میرا کچھیتی نکلے گی کھاٹ اُسکی وہ سکھ نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے اُلٹی میٹی تمہیں پڑھا کر

ہوئیں بڑھیا یہ جوانوں کے گگنے کاٹتی ہوں اب بھی یہ کند چھری ہے مرے دو چار سے تیز

سوت سے گالیاں نہ کھلواتے تمکو ہوتا جو کچھ بھی میرا پاس

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکار اچپ چلے آئے — کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی — ہمیں تو لاکھوں کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لا کبھی لال ہو گیا — غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکمے بال کا — راکھ تل کے نوچ یا نورہ لگا ہرتال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہی اکدن میری سوت — کھائے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا

خالی کے مہینہ میں وہ خالا نہیں رہتا — در گور مرے پاس رزالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت — سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہی ماموں سے محرم میں بھی رنڈی — موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پیٹ ہے ہمکو تو سو خطرے ہوں پڑے — مردوں پہ تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا

حُسن جاتا ہے پر چھاتیوں کا روپ تو ہے — صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب — مری نازنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پٹرو کی آنچ کا صدمہ — یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جامے سے میں باہر ہوں بھلا مغلانی — ادھر می وہ بار گھٹ آئی انگیا

کوڑھ ہو ان چھاتیوں سے ٹپکے اُسے جو پہنے — میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنا ئیں — اپنی جُہر دونکو ہوئے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہتے ہیں تھا حرام وہ کام — ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے یدمنی کو قوم میں ان کی کیا پیدا — بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہی کیا — چھوڑا بڑا قدم ہی نے تراجی دہل گیا

تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے — بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دنرات کا پھر وہی بکھیڑا نکلا — کوئی گل ہوئے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

ہمو کہیں تل ہے مری مہتابی کے پھبتی ہیں کہیں — چاند کے پیٹ میں خورشید سا تارا نکلا

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اسی انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے
والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود اس ابتذال کے ان کے یہاں
بیگماتی زبان ، لکھنؤ کے روزمرہ شریف عورتوں کے محاورات ، رسوم و رواج کا اسقدر
ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں ۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد
مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا ۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور — کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

سختی کبھی مزاج ہے بیٹے کی خو بکھیں — مرم کی جب کٹوری میں مجھکو نظر پڑا
ہر سال پتھریوں کے ہوا العداق — کیسے میں جھانکے دودھ مجھکو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے میں گھر سے ہوئی خراب — برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس سے ۔ موئے منہ پر لگتی ہے — کس مشاطہ کر بیاہ میں بھری کی بسی کا
دولہ دلہن گور حسان نے کبھی جو ملا الف کا — کسی دشمن کے دشمن کو یہ ہو گنار جا بہا کا
وہ تھے استاد ان سے جان صاحب کو تھی نسبت — کیا پیام روش رنگینی نے تری انس کا
کلو اپنی مرتا ہے تعب اسکی لیس پر — قاضی کے گھر میں کیوں یہ ہو چرچا سرا کا
مسانی موت پڑے خالق مرا دال — پڑ جائے اس کے حلق میں پھندا سرا کا
سوم میروں سے جلا ہوئے موچو رکھیلے — جال وہ مجھ سے تکے گڑ کی ٹکیہ کر جلتا
رنگتا کس موم کا پیٹ جو جلتی نہیں — تیرھواں مہینہ کو یہ جامہ ہے شوال کا
ساس ننندوں کی مونچھ کے میں قربان گئی — جاؤں میکے مجھے منگوا دو سواری میرا
تم سلامت رہو صدقے میں تمہارے صدقے — کتنا بیسوں گی کبھی گوٹہ کناری میرا
تکا ۔ کھا کچا تھا وہ جن لے پریا کم — کل ممبر پر چڑھا تھا آج تگوڑا اُتر آیا

خواجہ انشاءاللہ خاں کے انہی صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد اُن کو معلوم ہوا ہوگا کہ خود سید انشاء نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرہ مہر جہانتاب میں بھی انشاء ہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہرحال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

ارے ناداں تمن اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے　　رُٹھا کر یہ کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت، ان کہتی ہوں　　سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے شعرالہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دیئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا بھی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپنا قانوناً بند ہوگیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کرکے اُسکا انتخاب کرکے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اسی انتخاب کو چھپوایا ہے۔ سنا ہے کہ

حرف جیم عربی

جان میر یار علی نام تھا۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین دربار میں ملازم ہو کر رامپور میں جا رہے تھے۔ بہت خلیق رند و دل چسپ خوش پیشانی مرنجاں مرنج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر سنہ ۱۲۷۲ھ میں بیوطن ترک وطن کر کے روزگار کی فکر میں دلی گئے مگر وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر بھوپال گئے مگر وہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی۔ آخر آپ دوستوں کی کوشش اور نواب کلب علی خاں مرحوم کی قدردانی رامپور میں لے آئی اور یہیں مستقل رہنے لگے۔ تا اینکہ سنہ ۱۲۹ھ میں ۹۳ برس کی عمر پا کر پیوند خاک ہو گئے۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُن سے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا نابینا اور زود گو شاعر تھا۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال ۱۱۰۸ھ میں ہوا آصفی ملک الشعرا نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرآۃ دکن میں یہ عبارت دیکھی زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے جو اس سبب سے کہ اُن کی طبیعت خود اس صنف کلام کی طرف مائل تھی

ماماکا ہے کٹھے کٹنی ہے یہ اچھی خاصی　　مجھکو کرڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہرجائی ہے　　ڈھونڈ ھولے تو کبھی کوئی یار طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو　　مار اچھی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں　　مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

حرف ثائے مثلثہ

ثریا۔ جمعیت علی نام تھا محمد نگر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ مدرسے کے
زادہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں حالی صاحب کے
کلام کا شہرہ اکناف ہند میں پھیلا اسی زمانہ میں ان کو شعرگوئی کا شوق ہوا
رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہوگیا اور چند ہی روز میں
بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے
جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دھن نہیں
اے لو اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ سمی کو جلاتی ہے سدا وہ جسے — مری سوتن کے کہیں لوچی لگ گئے
دن گزارا تھا جہاں جاگ کے بھی ہم نے پیا — ہاتھ ملتے کیوں رات کو جاگے آئے
شام سے سوتے ہیں ہم پھوٹے نصیبوں کی طرح — آئے تو گھر میں کہیں رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچا لاڈو تو رہنا کہیں — کنواریاں خود دولہا سی ہیں گھر پہ کہیں
ان کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھوڑے آن کا — مجھ کو کیا کام ہے جاسے میری بیزار کہیں
آج کل کنواریاں گھر پڑی چھپتی ہیں — منگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں
دیکھو ہر کام میں کیوں انگلی ہی پھرانا — راس آ جاتی نہیں ہے جو پیدا کہیں

راجہ سب کی سُنتا ہے — روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری — کہو تو جھوٹے پچ کچ کری

بازاری لڑکے — کھیلو کودو جانے دو — مرتی ہے مرجانے دو

ضرورت — پنچ دوارے ستے کا لایو — سچ سچ کہو کا پایو

ہندوستان — ہمکا ملی نہیں اک پائی — کا جھوٹے لیکھا سمجھائی

ضرورت — اچھا اچھا دیکھیں گے — دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان — اے بدبینا ہم کا گن کیتا — ہمرے کرم ماں کا لکھ دینا
یاہی دیکھا کرم کا لیکھا — جا سے بھینٹ بھئی دُکھ دیکھا

پیچ اتنا کیوں چلاتے ہیں — ڈرتے ہیں بھی آتے ہیں

ٹیسو آج بات ہم سے ٹھانی — لاہہ ہوں ہمکا پاپانی
تنک تنک ہم بات تکی ہے — رتی رتی حال سنی ہے

ہندوستان ٹیسو سارا مت سنائیں — گھر جیسے ٹھیک سنائیں
ٹھکنگی بان عمر گنوا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایس جوگ پڑا کو آن — چند چھپیں اس جا پن
کہو کہاں سے اسم لائی — دوسرے کی جو لگی بھائی
جیسی کوڑی گھر ہیں نائیں — کہو کہ کہہ کی کھیر سائیں

مرورت کہد مت ہو شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات نائیں — جانے سے زیاں سلائیں

ہندوستان پیچ ہمادر سنتے ہو - سنتے ہو بھی سنتے ہو

بارادری لڑکے پیچ ہمادر چلتے ہیں — دیتے ہیں بھی دیتے ہیں

ٹیسو جھمیا ہری بڑی کھانی — جھانٹی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — بن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ کھاتا ہے

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق
تارے گنا کیا ہوں پڑا چپت شب فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اُچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تار تک
قرم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک
ملنا نہ تھا ملا نہ اُنھیں گھر میں یار تک
دانتوں کا دسترس نہوا گوش یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

بیا رغم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں
وہ ردیفیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں
جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں
شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہے ساری ہی داغ ہیں
جو رنگ تیرے مسے میں وہ دل کے داغ ہیں
یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں
تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہر زکام برابر علاج ہے
گرمی میں ہی بخار خنک احتیاج ہے
اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے
برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد - اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی زبردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے - آئے آئے جم جم آئے
پنچ دوارے ٹیسو آئے
پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں
ہمری الج گرج سن جائیں

ارمغان سمجھنا چاہئے صاحبی کی شاعری سے تجاوز کرکے ـ ـ ـ ـ ـ ـ
حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور
اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقل شاعری بھی ہم کر سکتے
ہیں اگر صحت و سلامتی دستیار ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصۂ
نظم نذر ناظرین کر دیں میں موجد پٹیشٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور
شاید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں دوسری جہت
سے نقش ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل پر
حاشیہ لاجواب یعنی مسئہ دنداں شکن یہ ہے۔

یہ جگ یہ دمبدم مری گردن ملتی ہے — دیوانگی کی ہر خشت رودر املتی ہے
کھٹی میں جو پڑی دہکت نکلتی ہے — معدے میں آگ عشق بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی سے سینہ میں ملتی ہے

تھوتھنیاں دہر گیا دھاک اڑائی ہے — اڑی ہے پاس پاس رایلی کمائی ہے
دو برخوں میں نام کر حلق میں مائی ہے — گردوں نے دردش میں آفت بچائی ہے
لو عمر فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے چرپائی کا آسرا — سخت سہ کا لیکے مناہی کیا گلا
اُبھو ہوا تو سمجھے کہ مارل ہوئی بلا — چھینک آئی ہے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اشکوں کی مار میں — ہے دو پہر و لوٹ سے ہیضا بخار میں
المدعا کہ شام ہوئی انتظار میں — کوٹھا بدل رہے ہیں سحر یادین
آنتوں میں دور سوئے مذاق چلتی ہے

بیا یم کا حال ہوا سکو سالکو تا کی ـ بے جس اتفاق ہے بیا سوئے اتفاق

ٹٹیری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریائے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں — جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں

غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو — اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے — مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بکھیڑ یا دھسان الٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقاے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اُردو سے ماضی میں شاعری کیجاوے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رُکتی دور کیوں جایئے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کر لیجے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

قوت، چنانکہ پا تو آمد ز دست   بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے -

لا مہہ ناز و غمزہ از انگشت مرا   با چندر بی طعنہ انگشت مرا

سہا مہہ پشت کرے مس جوان کمی   گر ار کہ وا گرفت از پشت مرا

متخلص بہ تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا سے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۵ھ میں دنیاے فانی سے رخصت ہوے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں | کوئی نوچ لیں ان کے نخرے اٹھائے

تونی ایران کی ایک مخدرہ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ تونی بیچاری ان کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش | یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم | تو پا کونش بسار و من پاکیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی —— میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا | کاواک شدہ چونے از ولبشت مرا
گر پشت ببوسے او دمے خواب کنم | بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی شست رگے کشت مرا | روزے نبود از و بجز پشت مرا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے
بھانجے تھے۔ حکیم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصحفی شعرا
اور گلشن سخن۔ دونوں تذکرے اس بات پر متفق ہیں کہ۔ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے
مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران ہوتا اور
نقل محفل ہوتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا گیا
تو کچھ کلام ایسا ملتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کر دیا
سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر
نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رے تو دمہ جو روز دکھتا تھا ۔۔۔ الٹی اسکے پاؤں تک سر سے آزردہ ہو چکا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا ۔۔۔ کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

کر گئے شکوہ کو موقوف سماں کس حیث ۔۔۔ میر بھی ہو لوں گا تو ناحق وہ جائے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دیں میری کہاں ۔۔۔ دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصوّر۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر معتمد علی خاں ناسخ بہار کی
کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت
میں زندہ تھے۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان یکی
میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے
معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام متولی خاں صدر امین ضلع میرٹھ مرحوم خلف مولوی غلام رسول خاں

ساقی گریز کرکے ہیں یا نسیے جھگیئے ہیں | گر لڑکھڑا گیا تو ہمیں گر پڑے ہیں

پردہ رسم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو | پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں بننے تو دو
پاک ہو جائے گی سب آب دھلے راہ عشق | صاف تم اپنی گلی کی نالیاں ہونے تو دو
انڈے بچے گھر پہ جا کر دوگے کیا فخر ہما | آشیاں نہ ترق سے جاناں اڑان ہونے تو دو
آٹھویں دن ترک الفت دور از انصاف ہے | اپنے عاشق کو ذرا تو شیر دان ہونے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر | شیر خوار ہے ابھی قاتل جوان ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرلیتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۸۱۱ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے اُردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش۔ شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف میں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جاسکے مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا | یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات
نہ تیغ چل سکی مجھپر تو منفعل ہو کر | لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہی بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تمسے التماس | کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا | اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔

شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا | آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

کہہ لیتے تھے ۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے ۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی ۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے ۔ ایک دیوان اِن سے یادگار ہے مگر نایاب ہے ۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے　　کام عشاق کا تمام کیا

کوئی عاشق نظر نہیں آتا　　ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

انکو سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل و آمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں مدد ہے۔ ہر شعر نمبروار مرد وار سے لکھا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران جگس سان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں حق ایجاد نام بوجد پٹیٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے ۔

اسمیں وہ غزل جو داغی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے — پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے
گردوں نے دردِ عشق میں آفت مچائی ہے — تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے
چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا — اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے
کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں — آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے
مارا گیا ہوں پڑا چت شب فراق — ابھی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے
داموں کا دلبروں نے بچھا گوش پا تلک — سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے
سر و شکم قفس عشق میں بھی ملا ہوں میں — لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے
تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں — کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے
برسات آئی پھر وہی بگڑا مزاج ہے — پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام ۔ نام شرف الدین علی خاں تھا پیام تخلص تھا۔ اکبرآباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اردو کے شعر بھی

دنیا کے مرد وے مرے اور فنا ہوئے | مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے
اب کے تو مرد جو ہیں وہ غابانہ بیوفا | اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے
دل کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں | در گور مردوئے مرے روزے قضا ہوئے

شاہ پیچھا۔ ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا۔ دہلی میں قیام تھا۔ وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ جہاں بیٹھتا تھا۔ وہیں کچھ نہ کچھ لکھ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا۔ میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں۔

دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہے | یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پیلٹینٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بدلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ان کی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں۔

ڈیر پنچ۔ آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی غدر سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگر یختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے۔ سنیئے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سُنیئے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں۔ اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضائے انسانی لے لئے ہیں۔ جن کا فراق اور وصال میں دکھڑا رویا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے۔ یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل جگر

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ | لاحول ولا قوۃ الا باللہ

بیگم ۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھیجوں گی سسرال میں تمکو جانم | نہیں مجھکو دوبھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو | یہ احساں ہے سر پہ دگانا تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا | تو پھر سنگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے گانہ کے دگانا مری مہمان گئی | میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

مفلسی اسیر یہ رنج و داریاں — عرس اتطار اور میلا عید کا
ہیں یہ روزے اور یہ لیدن کا لوٹ — صبح ہی ہیں یا کھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لاد کر چلدیا — رہ گیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر — ہو تریں آ کر پایا کہیں بیٹھا ہوگا
دل لگانے کی سزا اس مجھے کیا دیجئے — قید ہو گی کہ صمانت کہ مچلکا ہوگا
سودا پیری کا تڑھا حسرت کی نظر کے ساتھ — ہو گیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم ہاں رہ گیا اگر — عید کے دن بھی مرا آجائیگا رمضان کا
رات ماہ ادھر کیا رم پت رنج میں تھا — عمر تو دامن میں سمٹتا دیر ابھی میں تھا

ترقی کے زمانے میں بھلا ایسی گھٹی کیوں ہو — خدا نا خواستہ ہو وہ لڑکی بے پڑھی کیوں ہو

جو یہ سوچن ہو ایسا نہیں دلبر کوئی — یا الٰہی ہے کوئی ملل تو کہو تر کوئی
بے لیے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا — وہ یہ سمجھے کہ ہے تلون کے مانند کوئی
پہلے معشوق اسیر وک کہا کرتے تھے — اب جو سب سٹا کرے کیا ہے مجید کوئی
بیسوں چاہنے والوں کی فہرست کتابی ہے — مارا جاوگے تم آنے کہ پھر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے ہجو گوئی اور ظرافت میں ید طولیٰ حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو خالصتاً میر ناصر اللہ اور میر الستار اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجئے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاءاللہ — سبکے ہیں یاد ہوں گے انشاءاللہ

گدگداتا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمھارا — بس اب آج سے خط کا سبزہ چہرۂ دل کا
اگر ساس نے مان لی میری بڈھ صب — تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اب صورت سے وہ عیار ہوتا — کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہوتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زنانا — اب کے جنم میں یارب عورت ہمیں بنانا
اس راگ پر ہو لعنت یہ بھی کوئی گانا — تادیم دیم درنا تا دار دیم تانا

کیا دو سر جائی مجھے ڈھونڈھے گا جو کبھی — ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بارہا بیٹھ گئے ہار کے جسکی واسطے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن — آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو — کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا بیشک یہ تمھارا دل نہ تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا — ضعف آنتوں کو سکھاتا ہے ہویدا ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے — قابل قدر ہے آموں کا بھدیاں ہونا
یہ بھی مذہب ہے کہ ناگت میں تو رہنا پنڈت — اور کھچڑے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا — پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

خوش کرتا ہوں جوش لوگوں پر   پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں نہ اوہ نہ کوئی چور ہوں میں   حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں   جب سے دیا نے گوشمالی کی

مری سوئی سجہ کش ہے اور میں حال رہ کش   میں بستہ میں بکاروں اور دو دو رہا میں

بیڈھب ۔ اسد علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں مشفقی فریدآبادی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں انکی کلام سے شوخی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو ساید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ نقد ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جسمیں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استادوں کا کلام ہے ۔ پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں ۔ اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں۔

حمد خدا میں بیڈھب زعم نظم دکھانا   ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

اک آدھ آنسو میں ڈبل کام ہو گیا   اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دوسرا مرے کا ملیدہ اُڑا گئے   لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

جس سے ڈروں گا ۔ ہاں سے ڈروں گا   جو والف کہیگی وہ بیشک کروں گا
نہ ہوگا اگر تم سے تیرا مداوا   تو میں سامنے اسے تمہارے مروں گا
اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دینگے   تو میں آج مرنے کا دعوی کروں گا
اگر عشق خالی مری کام آئی   تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو — فوراً سب مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پر مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے — مری بیوی برابر مامتا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا — اب اپنی بیوی کو میں تمبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہو گئی — کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بیگن کے سوا
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی — سیدوں کے پاس رہ کر مجھکو سید کر دیا

پوچھتے ہیں نام سبنٹ تمسے لوگ — کہہ بھی دو الّو کا بچّا نام ہے

دی ایک چکت ایسی گالوں سے لہو نکلا — وہ جوتی والا تو بیر ابھی گرد نکلا

-- ---- - - -- - -- - -

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں — کھوپڑی کا فقط بچانا ہے
جسمیں تھے ہم عدم میں اے سبنٹا — اک بڑا وہ بھی کار خانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے — یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا — کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں۔ متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں - اب سُنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوسکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہو گی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پرچار کر رہے تھے، اسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے
اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جولاہے

لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر
بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جولاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہوگئی
اچھی خاصی اِن جولاہوں کی کمائی ہوگئی

ہو ترقی کسطرح ملبوس کھدر کو بھلا
چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہوگئی

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - ان کے حسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنسانی بھی ہے اور رلاتی بھی ہے - اغلب کہ یکہ نے اسی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے جو اٹھے ہیں - وہی شدہ وہی ہاسے اولالے پیدا کر کے موزوں بنی ہے اور شاعری سکریہ کی ہے - اگر یہی بات ہے تو یکہ تخلص بہت ہی موزوں ہے کریا کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں یعنی تضمین کیا ہے ان کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے ان کو نظر انداز کر کے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب واپس گھرے اور بڑھی ناک بہنے لگا   سو ہر کی جگہ کسی ہی جورو مجھے کہدی

ہوئی سری کے ہاتوں بہت پست   گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی ست
کبھی سر کبھی زکام اور دست   جو سے مدد طبیعت کو شکست

زود جو بوقت مرگ اردست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا   کریا نہ بخشا سے برحال ما
کہا کر نہ جورو سے اسے بوالہوس   ندارم عیز ار تو فریاد رس
یہ کہتی ہے جورو ہمیں برملا   کہ ہستی اسیر کمند ہوا
وہ بولی جو ہم سے اشارا کیا   نگہدار مارا ز راہ خطا
میں کہتا ہوں اس سے کہ لے کا شتا   خطا در گذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی مسار اسلم   کبھی مارے گھوسے کبھی ٹپکا سر
ما کبھی مجھ کو اپنا پدر   تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر
یکہ کن رہیمارا لے پسر   کہ روزے زدستش در آئی بسر

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا
اِن کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آن نیم کہ ز حلوا عنان بگردانم   کہ ترک صحبت شیرین نہ کار فرہاد است
کسے بجو ہر یکدانہ نخود نہ رسد   کہ قفل حقۂ کیسا بیاچہ نکشاد است
دگر مگوے کہ نان نو عروس عشرۂ ماست   کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است
نوشتہ است ز روغن بچہرۂ حبشی   کہ این سیاہ زبان فرعفر آزاد است
چہ می بری اسے کاسہ لیس بر بسحاق   برنج زرد و عسل روزی خداداد است

بہ چشم در سحرگاہاں گر آری صحن بغرا را   ببوئے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوئے فربہ اگر داری غنیمت دان   کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا را
جمال برہ بریاں و حسن دنبۂ فربہ   چناں بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را
چہ آرائی بمشک و زعفران رخسار فالودہ   برنگ و بوئے و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
بگو بسحاق وصف خوشۂ انگور مشقالے   کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم ز ذکر قلیہ خالی   چو شکر لبر قم فی کل حال
سحر بر خیزم از بہر ہریسہ   و من طلب العلی سہر اللیال
درون رشتہ آں خورشید شلغم   کان الشمس فی جوف اللیال
چو از ہم میدرم مرغ مسلم   فما ادرہم یمینا عن شمال

بوبک ایک بیاض قلمی میں بہ بک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام وحالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھانہ

شاگرد تھے۔ میر صاحب اور بو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو مختصر
درج کرتا ہوں۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لئے جب
شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایکدن اپنے شاگردوں
کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زٹلی نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ
کہیں۔ مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہوکر بیٹھ رہے
پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کر ان سے بو اور بس ہوتی ہے میر صاحب کو
خوب ڈانٹا۔ چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی موری کو شامت اعمال سے بخار آگیا موری کا دریچوں پر حسم
ہوا کرتا ہے۔ جناب اس عالم پریشانی میں بہت ہی چڑچڑے ہورہے تھے شاگردوں کو بات
بات پر مار پیٹ شروع کی لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹلی سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی
شان میں کچھ لکھو۔ جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور خوب ہی اڑا نامہ جو انکی
کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

درود پڑھ نادعلی راکش بستال کو باندھ — دیدہ پڑھ نادعلی جن و گرو لال کو باندھ
درود پڑھ نادعلی بھیرں گمڑ بال کو باندھ — درود پڑھ نادعلی بھوبلں کے سپاں کو باندھ
درود پڑھ نادعلی لے خرد خال کو باندھ
ہو میلے باہر تمکے چھوڑ کے جل جا — باندھو ٹکا عست کہاں سے آگے نکل جا
گادر کسواوم دحیولں یہ عمل جا — آتو بھی کہاں ماں شتابی سے نکل جا
بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا۔
یا شیشہ میں جو بند یا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی نگرانی میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھ کر حضرت بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں لکھے ہیں - گویا شعر طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پُر زر بہ | بدنمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارذلاں یورو بین | پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان | از رہ مستقیم چکر بہ
ایلچے ہم بکار می آید | خر عیسی بحال خود خر بہ
وضع خویش اختیار باید کرد | ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیمایش | خاکساری شما را احقر بہ
ہمچل خواب را نمودے نیست | نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی نہ نیشکر آید | چوں شکر میدہد چقندر بہ
مفلسانیم در بساط حیات | اسپ اگر نیست ٹھرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی | جان بل چوں غزال اصغر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را | ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانہ انگریزی | تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید | ہنسکے گفتا کہ ادر خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا جس میں اس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹلی بھی انہیں کے ایک ہونہار

خوش فکر ظریف شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں۔

ہر آں حرف ناہنجار رائیں ہمت عالی — کہ من مرعوب وہ را در آغوش دگر دارم

خود ستم شد شامل گنگ آں نازک مزاج من — ترس آمد کہ یک جو کوار تحرر در کمر دارم

خوش تماشہ است کہ آں رہوار آید در کنار من — بسا جو ورد و تر ہو ر دارم ہیشکر دارم

بلیغ نا بلیغ بلغو بلاغت صرف کن ایجا — کہ مرا بلیغ گویا کہ من سوئیت اطہر دارم

ببلا بیلی۔ یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام پرائن صاحب ڈار کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں۔ علمی قابلیت کی بات اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بدقسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے

وائے قسمت میرے بستر میں قم انجیر ہے — چارہ گر اخبار محبا عشق کی تحریر ہے

عقد بدامیں قسمت گمت ہوئے وافلا تھے — وحشت بد ہے تو وحشی یار کی تصویر ہے

ہو ازل سے ہی دیوانہ رکھے رب کا کفگیر — مجدکار عشق تب آیا کی جاگیر ہے

ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے — اس ہی رشتے سے لیلیٰ قیس کی ہمشیر ہے

اے ببلا بیلے زباں پر ہو یہ کوہ زلزلہ ہوں — شکر ہے عالمگیر شہرت میری عالمگیر ہے

ببلد بیر۔ عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار دودھ پنج سالق کا ہیں کے

ٹبکائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۲ - اپریل ۱۸۸۵ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -

نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوز دلوں - مرثیوں کی فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا یہ الطاف الٰہی - ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں ہاتھیوں کی بڑی پشت پناہی - ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی اور پہنچی تباہی - ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت - یہ کیا ہے بغاوت
ٹھہری یہ حکومت ہے نہ نالی یہ الٰہی - ہے ہے مری شاہی

باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب دیدیا چارج
بیکار ہی بیکار لگی منھ کو سیاہی - ہے ہے مری شاہی

یہ رنج کیا ضبط تو تپ آگئی مجھکو - اے میرے حجو
خون تھوکا جو بھائی نے تو وحشت آئی ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دلبر تھے لگے تیرے چلنے لگا تیل ساڑھے لینے
جب بورڈ میں جا ٹیکی ہوئی میری منا ہی ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے کل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا
کالا ہوا منھ پڑھ گئی قسمت کی سیاہی ہے ہے مری شاہی

بیٹنے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہی بُری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی - ہے ہے مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ووٹ مخالف مرے آئے یہ غیر نکے سکھائے
دیکھا جو بہ چپکے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی - ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی ہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہے ہے مری شاہی

نیچا سر مغرور ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھکا ہے
لی نہ ونکی میں تب تو لگی منھ میں سیاہی - ہے ہے مری شاہی

بلیغ - محمد ثناء الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانۂ حال کے ایک

دے دوں ٹھٹے کہ آنکھیں دہاں سی بیساں نہیں — سو کہا پڑا ہے اب تو مدت سے دوآبا

اتفاق سے یہ شعر سا کہاں پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان
دونوں شعروں سے دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا بات گریہ وستہ ہے — دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابے میں — ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میرے گو ترا مضمون دوآبے کا لیا — اے تقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو
ایسا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے — اور میں کا یہ عالم ہو کہ ترسینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر — اسمیں مردے جو نام شاعر کا
لیکے دیوان پکارتے پھریے — ہر گلی کوچے کا نام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے — بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونوں صاحب کے — اے تقا جسکہ ہم نے دیا سے کی
کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن — ایک تو تو کہے ہے ایک ہی سی

تھے ہم استادہ تیرے در پہ ولے بیٹھ گئے — تو نے چاہا تھا کہ اٹھالے نہ اٹھے بیٹھ گئے
آئینہ دیکھو جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں — اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوائے اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ ۱۸۸۱ء میں بعارضۂ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً یہ جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی بر سر پیکار رہیں لو اور سنو — ان کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو

جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے — ان سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو

شاہ کھتیا نہ تو اور کہ نہ مصالح موجود — سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو

دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسیر بھی — جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو

ہم ترے مولوی تھے آج طفیل سرکار — پنچ ہیں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو

جیب میں نہ تھے پڑے رہتے ہیں جس کے دام — آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا۔ شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خوشنویس کے بیٹے تھے میر اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبد الغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم کیا یک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کرکے لکھنؤ آگئے تھے۔ یہیں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خوشمذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انہیں ظرافت کا رنگ پیدا کرکے نئی روح پھونکدیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجوؤں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیگ کا شعر نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر ان کے اور نہیں دیکھے گئے۔ میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ میلے سا تھا اُس وقت تک میں نے یہ تذکرہ میں لکھا تھا اب خدا معلوم کہاں گیا۔ ہر صورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر تیمناً لکھتا ہوں۔ میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے حسن کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اُس کے وہ شعر جن کا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے کاش ہوتے تو لکھتا۔

ہے کہ دیگ کی طرح جلتی ہے	رلرلے سے رہیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ	مرکے سینے میں دیگ کو کا داغ
ورنے کے دام میں نہیں خورشید	دیگوں نے اسے کیا ہے قید
ڈرے یک سے وہ جو بیتا بال	یاں تو اس کے حصہ پہ مال
نکلے ربڑ و نکلے مالا	نے غم مد دونے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھے پر اکتفا کی نام دام سب بھول گیا شعر یہ ہیں۔

حبیب را اگر علاج میخواہی	طلب وصل مہترا لی کن
در شب وصل می پڑد خارا	یک لحاف است ایچا تانی کن
ہس کم ستیر سید بسمل	از کملی دو ملہ سائی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا - آپ سنگھانی اعسار دلیسوں میں ایک امماری درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی ذہین تھے سوصہ تک

بنہ آئینہ در پیش - مشو طائر نقال بزن مفت پر و بال - بجز رلیکٹ بہم ایک - لکن ترکیہ رہ نیک - بشو پیرو حسنات - برست از مزخرفات - بوبیں صدق و صفا را -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں - بےحد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ / مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرجا اور بتخانہ / گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کرلو گرمی گرمی / ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی / رندوں میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی / سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کہ کرتے / اون کی رنڈی تھی بی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا / توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا / کسکی توبہ کیسی توبہ
اوری بندے ہی جو ٹھہرے / آگئی دل میں کرلی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو / یہ تھی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کرلو / کام وہاں پر دیگی توبہ

اُس طفل خشت بخت کی تھی خشمگیں نگاہ | ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپٹ کے پھول گیا مثل نان جو | شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھکے کچوں کی بہار تھی | سینہ کسی کا باغچہ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے | مرغ دل سوزاں ہے یہ دام ہمارا

برق - اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱- اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۸ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاکر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا -

گو کہ آپ اسم با مسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر - مرزا مچھو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے - جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسیوقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی - اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں اکثر انگریزی ڈراموں کے لفظ بلفظ ترجمے اس خوبی سے کئے کہ باید و شاید - بنگلہ سے چار یا پانچ ناولوں کا ایسا

دہ آدھی رات سے ہی شب وصل چلدیئے — اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر
دوزخ میں ہم پولس میں پڑا شے یہ جیل میں — کچھ تو کہو ملوگے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب روز قیامت پہ — جگہ تجویز کیا کی بائس پر یا بے بیٹی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں — انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے — بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گر بڑے گھر میں

عدو بکری کا بچہ ہے یہ آخر کھل گیا سب پر — کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں — نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں
تخت کی رات مری چھیڑ پہ جو روئے مری — مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مار ہوں میں
ان کی منت پہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں — وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں میں

اغیار ترے ماں ہیں بہن ہیں کہ چچی ہیں — کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی — غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جز میرے ترا بوسہ لب جسنے لیا ہو — اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو
کسواسطے اس سے مجھے ملنے نہیں دیتے — تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

جلائے نے جلا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے　　　رولائے جو ہمیں تا بی تو بیاری جو کسی کی

تباہ دار انقش تھا باپ انکا بنا تھا　　　پیارا شکل ہے وہ کیوں جو تجھ میں حسرت کی

تضمین شعر شہیدی

حصول مجھے تو ملے اے ستمگر　　　تری قسم میں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام　　　بری انگوٹھی سے پہلو سے مار ہا تا کام
فریفتہ ہوں ترے طرز دلربائی کا

براق - درمی تخلص ہے میرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز رئیس اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اسوقت سن شریف تقریباً ۵۴ برس کا ہوگا۔ نہایت ملنسار زندہ دل یا باش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں مجھسے کافی مراسم ہیں۔ لیکن معلوم دار ایسا تھی آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا ---- واقعہ بھی یہی ہے کہ آپکے دیگر کمالات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لیے کچھ موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے۔ اور اگر مجھکو وہ سب کلام ملجاتا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریفانہ کلام کا تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا مگر کیا کیا جائے۔ کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی بیاض سے سرکا کر اپنی نوٹ بک میں درج کرلیے تھے اور کچھ بھی نہ مل سکا۔ شعر یہ ہیں۔

جو دیدہ ہر طرف دیکھنے والا تھا　　　سے لگنے میں کر مدہ ڈالا ہوتا

کل سب عجب حال اہل ماسور تھا　　　لگا کسی حسن کا گوش جو رتھا

کہاں جا سکتے ہو اب مرے گھر سے ۔۔۔ تمہاری تاک میں تھا سال بھر سے
ملا جو انسے اس نے قید کا ٹی ۔۔۔ ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے
پھر آخر مجھسے تم کیونکر ملو گے ۔۔۔ خوشامد سے کہ جوتے سے کہ زر سے
عدو کیا مار ڈالے گا مری جان ۔۔۔ خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رنڈیاں طائر دل پھانس رہی ہیں جو یہاں ۔۔۔ بیبیاں ہونگی یہ دوزخ کے چڑیمار دل کی
ہاتھ میں نیم کی ٹہنی ہے بغل میں جوتا ۔۔۔ یہی پہچان ہے باپ انکے تیرید ار دل کی

بزم عدو میں ہوں کہ جہنم میں جائیں آپ ۔۔۔ جب میرے گھر نہیں ہیں تو جاہے جہاں ہیں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں ۔۔۔ ان کو پھانسی مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اغیار کے اوپر سر بزم ۔۔۔ دھار پیشاب کی وہ ٹانگ اٹھا کر مارے

کل سنا تھا یار کا چلا ہے ۔۔۔ آج سنتا ہوں کہ رحلت ہو گئی

عندلیبیں سننے والے مر گئے ۔۔۔ اے میں قربان ڈھول کا پیٹ تھا کیے
نیم کی ٹہنی لئے پھرتا ہے دوست ۔۔۔ یہ نتیجے ہیں پرانے پاپ کے

تاثیر دیکھئے مرے بخت سیاہ کی ۔۔۔ معشوق بھی ملا ہے تو الٹا توا سا مجھے
کوہ ستم اٹھا دل سے ہوں بار عاشقی ۔۔۔ کیا اپنے جی میں جانتے ہو تم گدھا مجھے

چوپایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم	ناگور کا ہو بیل تو ہو شان سودیشی
غلے کی بساط ایسی بچھے ہند میں گھر گھر	اک کشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی
سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب جولیے میں جائیں	اب بیچیں گے عطار نباتات سودیشی
برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑ لیے	آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی
طاعون کا کھٹکا ہے نہ ڈر قحط کا اسے پینغ	ہاں فکر رہا کرتی ہے دن رات سودیشی

باب بائے موحدہ

باپ ۔ مادھورام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں ۔ مکرمی قمر بدایونی ۔ اور جناب حکیم حافظ عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام مل گیا ۔ لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے ۔ قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے ۔ تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی ۔ ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہو گئے اور اپنے ایک شاگرد کا دادا تخلص رکھا ۔ مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں ۔ باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے رہا نہ گیا یہ شعر موزوں کر کے اسی مشاعرہ میں سنایا ۔ روئے سخن اپنے شاعر حریف کی طرف تھا ؎

دو تیرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں ۔۔۔ مگر سب باپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی ۔ اور عرق شرم میں نہا گئے ۔

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے ۔ نہ اسمیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے ۔ دیوان کا انتخاب کر کے یہ چند شعر درج کیے جاتے ہیں

ہر اک بات میں اوہی رہے مار ڈالا ۔۔۔ کوئی تم سے بڑھ کر زنانا نہ دیکھا

میں وہ ہوں نخل ہو تیرے طبیل دریائی | مری ہے کشتی گل تار جیل دریائی
مجھے اترتی ہے گرد آسماں سے وحی | ہے راہبر خضر جیسے میل دریائی
میں کالا پانی پڑا نا پتا ہوں ہر تبدیل | زمین کا گڑھا ہے مرا کلک میل دریائی
بنا ہے کنگرہ خار میرا دشت حصار | مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی
جہاز تختہ مرا اک تار لنگر دم پر | مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی
میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا | حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی
ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے | یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی
ہے اوج مرد کہاں دیدہ مردم آبی | نکال دیدہ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر | طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر
جب کھا زر گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں | بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دھرمہ ہے باندھے خیال اپنا | ہے پل صراط اتریں یہ ہے کمال اپنا
طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرائے الفت | سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا
کسب شہادت اپنا ہے کس کو یاد قاتل | سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
بہاتا ہے جوش عشق شیریں تو شوق میں ارونا | ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی کی - مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم وفضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا - زیادہ حال معلوم نہیں - اس لئے تھوڑے سے اشعار نظر لطافت جن میں اخلاق و نصایح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں -

دعا دفع شد بجو اب در فکرے | دید دنیا چو دختر بکرے

میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے ——— کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی ——— تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوے دشت ——— چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بصحرا ساعتے ماندند دیر ——— چند خر دیدند در صحرا چراں
نرخرے بر مادہ خر رغبت نمود ——— بر مثال عاشقاں یا دلبراں
با عمودے یک گز و نیم آبنوس ——— گادنی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گہ بر می کشید ——— تیر می افگند و میکرد عاں عاں
زاں زناں یک زن آں گادن بدید ——— بر کشید آہے و گفت اے شوہراں
گہ جماع اینست کایں خر میکند ——— بر کس ما می رینند ایں شوہراں

ز عیبم خیرہ را ریشے است بر گرد دہن چناں ——— کہ گوئی عنکبوتے بر کس گادے تنیدستے
سرے دارد کل و ہر جائے موے رستہ دور از ہم ——— مگس گوئی بر اطراف کدوئے خشک ریدستے
بجائے ناف چوں نایہ در اول سر بریدیش ——— دریغا گر بجائے ناف اور کس دریدستے

آنکس کہ جگر خورد و بہ مردی ہنر آموخت ——— در دور قمر گو بنشیں خون جگر خور
پیغام زناں می برد و بیابے بزر پوش ——— یا مسخرگی می کن و حلواے شکر خور

اوج۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرۂ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعرا میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری، فردوسی طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور سنہ [illegible]ھ میں سلطان احمد سنجر درستامے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخرکار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک رسالہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ جب اتفاق سے بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی فتوحی ایک شاعر تھا اس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو معتہ کلاہ کیلئے اور داڑھی اکھاڑ کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اس امر سے انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخرکار سنہ [illegible]ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری سخن شاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مدمقابل نہ تھا خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیطرح سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچی ہے[۱]۔ مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

سلہ وہ اس سمت آنے کے بعد یہ شعر لکھتے ہیں جو لوگ چاہیں کہ انکی ہزلیات کے دیکھیں وہ کلیات کا آخری حصہ دیکھیں ۱۲

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نمایت کامیاب ہیں آپ کے چند شعر دستیاب ہوئے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔

سندھیے مثلوار زر ہم سکۂ زر تا بہ داشت ... باوجودش نالہ ہائے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست ... گفت ما را قرضۂ بقال برایں کار داشت

سیٹھ اگر نشست بپا نیست جائے اعتراض ... مالک ہمیان زر بود از گدایان عار داشت
بنگرید ایں تنگیٔ حال مسلمانان سندھ ... شیخ سندھی خرقۂ خود در رہن ساہوکار داشت

بدیش از قرضہ خود گو دراز کھیٹی کمتر جو ... کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا
منم از آں سود روز افزوں کہ قرضہ داشت بالاتم ... کہ قرضش از کیسۂ سندھی بآرد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں بنیہائے شوخ دیھوتی پوش شہر آشوب ... چناں بردند سود از ماکہ ترکاں خوان یغما را
سمن دادی و خورسندم جزاک اللہ نکو کردی ... ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ بقال و بنیاں را

خلاصی دلاوتی بقال تا جیب ادا نتند ... خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار انتند
گزار کن چو صبا در دیار ہند ببیں ... کہ از تطاول بنیا چہ سودگرا انتند
ترا میاح و مرا آب و یدہ شد غماز ... وگرنہ قارض و مقروض ہمارا دارانند

انوری- محمد اوحید الدین نام تھا- ایران میں علاقہ ابیورد (میرن) بدہنہ ایک گاؤں ہے جو ہنہ کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد مسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں اسی مناسبت سے اوایل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا- پھر اپنے استاد کی فرمائش سے

رات کٹا اپنا ترستا ہی رہا گی ماگی | ابتو موت کی اٹھوا ہی ماگی ماگی
اے لو اس کو کوٹھری میں بیچ ڈالنے کیلئے | اک عصا اور ڈھرکے میں میٹھی پیا ملی ماگی

جیمق ہے یہ گوڑی مسلسل کی اوڑھنی | لادے وہی واسطے ململ کی اوڑھنی
میں سر ڈھیے ہوسکتے کیا جانیے کھلا | یہ ٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کو کامی دیکھو میرے دگانا یہ کیا کیسی | لسوا اودی اور ملا ململ کی اوڑھنی
انشا کے سو گھیے کے لیے اتی نے سیدی | جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں سالمار معافی تیرے | صدقے قربان جاسے دائی سرے
وہ چال مرچل کہ نام رکھے کوئی | لے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے | گھر میں مرے آگ لیے آئی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے | لے ماندہ یاں تو آئی جاتی کیوں ہے

جاناجا تو کرحت جیسمت ہوگی | آتو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
چالیس جھوڑدے نہیں تو ناحق | اک روز بڑی تری فضیحت ہوگی

انعام یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سہارنپور کے رہنے والے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے۔ عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت موٹ

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات میں میں نے ۔ بڑے ایسے بہت سارے کڑاہی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے بچھیڑا اک جو ہے تاکند سا پھرتا ۔ مبادا اسے دداجی وہ کہیں تمکو کہندل ڈالے
غلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھکرا دیں ۔ نگوڑی باولی چڑیا مزے ہیں جو تھلل ڈالے
وگانا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہنچا ۔ کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے
اری تو ایلی ہی پڑتی ہے ملے جھل کے اور نڈی ۔ خدا ایسی کبھی دید دئیں کسیکے تو رج جھیل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو یا نکی پریوں نے پچھاڑا ہے ۔ نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھ ہو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں ۔ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آ رہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچ کچا کو کل اُن کی ران کاٹی ۔ تو اُن نے کس مزے سے میری زبان کاٹی

یوں جھمکا مجھپہ کوئی رات کا جاگا جیسے ۔ تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں ہیں دھاگا جیسے
یونہی ہر بات میں بولا کرو مسکرا سُردا ۔ ابھی آغا کو بہک کر کہا آگا جیسے
ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھائے انشا ۔ مجھسے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا ۔ میری چھاتی جو چھوے اُسکی ہتیلی جل جاے

پڑ گیا نیل مرے گال میں کیسا قہر ہوا ۔ ارے کمبخت نگوڑے پڑے تجھپر چٹکی
ہو گئی ران تو سب لہو لہان لے انشا ۔ دیکھ میں تیج پڑ دنگی نہ مرے لے چٹکی

چپکے دیتی کھول کنڈی لینا انشا کو بلا ۔ ڈر بھلا کیا چاہیے دربان بویکا تجھے

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی اسکے یہ معنی کہ ہیں اُوہ میں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش
اوٹ میں اپنی دکھادے مجھے اُس شخص کو آج میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے اور کبھی ایک ذری میری دگانا شاباش

ادئی راسیل ہو گئی میں آج گورے گورے ترے بدن پر غش
یونہی میں عشق ہوئی دگانا پر راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص اجی دو کواریوں میں تو جہ ہوا ایسا اخلاص
نہ بتولے مجھے دویاں سے اور کچھو ہو جاؤ کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زناخی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی کبھی مت ہو بے لحاظ سانس مت بھرا او دگانا چپ اری او بے لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اپنے جو خوش لے وا سے چھیڑے دال سے ہو یہاں پہلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں جہاں مرے دل کا شوق تمکو کیا اس سے دوا جان مرے دل کا شوق
بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق
طعنے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہوں جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق
منتیں مت کرو انشا کی طرف سے او سپر میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مسیح   مت لگا میرے بھرے لوگوں کو داری مسیح
لگی ہے چوٹ تو لگنے دے سو سو ورزری   ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
یہ جو چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے ملی   تو اسی بتیں کر کے تری باری مت چیخ

مار ڈالا گئے ہے کھیچ لے مجھکو لحاف میں   یا جامہ کچھ ہے ریت ہرا ولا ازار بند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا یہ رات کو   وہ گیچے دار آپ سے تو لا ازار بند
کیا کھو گیا ہے آج کہ جھٹکے سب ترا   ہے تخت جیسے لکڑی کا ڈھیلا ازار بند
انشا کو اوراپنی نشانی یہ دیجئے   دیجئے تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اگی یہ نکیلا ازار بند   لیکن کسی کا نرم وہ ڈھیلا ازار بند

اے دگا ماں مجھسے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ   تو کیا کر آج سے تو بھی بس اک کیں ڈنڈ
جو بری مہندی لگا دے اسکے ماتھے ہاتھ پاؤں   لوٹتی کیا کیا ہے پھر یہ موئی سعشق ارنڈ

جو مجھے لوٹکے سو الٹی کرے   ہوتے سوتے کو اپے کھا دے پچھاڑ
ڈٹ جا دے کہیں یہ سری چول   ارے اوئی سرے نگوڑے کو اڑ
لے چل انشا مجھے گھمو رستے   یہ تو ہے مرد یا ہم اسکا ہے تاڑ

بیگما ہے جو کیا جھک کے سلام آ تو کو   آ جا میاں نے ساقی اسے تو یوں ہی آ دار
یو توں پھیلاتے تھے اور دو پھوں تھا ماہو نصیب   بیاہ ہو سو کے سہرے سے تری عمر دراز
بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات   گھنٹہ کھیں ملے سے انشا کی تماری بی تار

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی — اسکے یہ معنی کہ ہیں تُوہ میں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش — تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج — میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے — اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

اوئی رابیل ہو گئی میں آج — گورے گورے ترے بدن پر غش
یونہی میں غش ہو لی دگانا پر — راجہ نل جیسے تھا دمن پہ غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص — اجی دد کواریوں میں تو ج سوا ایسا اخلاص
نوبتولے مجھے دو یاں سے اوڑ بچھو ہو جاؤ — کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زناخی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط — مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی بھی مت ہو بے لحاظ — سانس مت بھر او دگانا چپ اری او بے لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اپنے جو خوش لے وا سے چھیڑے — دال نے ہو یہاں بھلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں مہمان مرے دل کا شوق — تمکو کیا اس سے دداجان مرے دل کا شوق
بات جیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں — نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق
طعنے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہوں — جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق
منتیں مت کرو انشا کی طرف سے اوسپر — میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

میں تو تیرے صدقے گئی اے مری ساری سیج — مت لگا مینڈ مجھے لوگوں کو داری صبح
لگی ہے چوٹ تو لگنے دے سو سر اور دری — ایک دم کے لئے خاطر سے ماری مت جیچ
جیسے جیسکار مچاتی ہوئی انشا سے چل — تو اس میں اکے تری ماری مت بیچ

حالانکہ ہے کہیں سے مجھکو عنایت میں — یا جامہ بیچ ہے نہ ہزار ادلا ازار بند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا یہ رات کو — وہ کھینچ وا آپ سے تو لا ازار بند
کیا پھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا — ہے سخت جیسے لکڑی کا چہلا ازار بند
انشا کو اور ایسی نسالی نہ دیکھئے — دیکھئے تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اسی پہ کیلا ازار بند — لیکن کسی کا ہوتا ہے ڈھیلا ازار بند

اے دگا نا مجھ سے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ — تو کیا کرتی ہے تو ہمی بس اک کیس ڈنڈ
موری مدری لگا دے انکے ماتھے ہاتھ پائیں — لوٹتی کیا کیا مرے ہے یہ موئی مسئلہ ارنڈ

جو مجھے لوٹکے سو الٰہی کرے — ہوتے سوتے کو اپنے کھاوے بھاڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ سری جول — ارے او لے مرے گھوڑے کو اڑ
لے چل انشا مجھے گھر رستے — یہ تو ہے مردیام اسکا ہے تاڑ

بیگما ہے جو کیا جھک کے سلام آتے کو — آ جا پیارے ساتی اسے یوں ہی آوار
یوں تو بیٹھا ہے تجھے اور وہ ہوں تہا نصیب — بیاہ ہو سو یکے سہرے سے تری عمر دراز
بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات — گھبرا گئیں بلے سے انسا کی تمہاری بی تار

مت اُجڑ گئے سے بھڑا ورغش نہ کھا کر گر
بیکلی نہ کر آخر جین نے ذری کم بخت

کچھ تجھے شرم بھی ہے بیٹھ پرے او کمبخت
تاڑ جاویں گے بُرے لوگ ارے او کمبخت

انشا سے ملتے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا
جی ہی یہ کھیلے ہو تو پھر لوگوں سے ڈرتے ہو عبث

سارے بھوتوں سے پرے ہے یہ موا خواجا خبیث
مجھکو گھورا ہی کرے ہے یہ موا خواجا خبیث

رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں
موت کے اب دن بھرے ہے یہ موا خواجا خبیث

بیگما انشا سے بچیسی نہ کھیلو بس کرو
رشک کے مارے مرے ہے یہ موا خواجا خبیث

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج
اے دوا جان وہ کمبخت بُرا کام ہو نوج

مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں
جسکو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج

دن دہاڑا ہی رہے، جی تیرے بیچ اے انشا
کلمو ہی کالی بلا ہائے وہ پھر شام ہو نوج

باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پر غش ہے تو
مفت ایسا کبھی کسی شخص پہ بہتان ہو نوج

مانت کے ٹکڑے پہ کھینچا جو انھیں تو بولیں
میرے کپڑوں کی طرف دیکھ دولت ٹکو سرج

کالے بادل نہ گھر آتے تو ارے او لوگو
آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح

کان کی لو میں گھسی موٹی سی بالی کیونکر
جسکا ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سوراخ

بلائیں بیٹے جو لیں اُنکی کل چٹاچٹ پٹاچٹ
تو کس مزے سے کہا بیگما نے چل گستاخ

ہمسایہ میں کو تہہل ہوئی کل رات کو انشا
گھس اسکے زنانہ میں گیا ہے یہ نگوڑا

تو قیامت بے شری ہے حد برا تیرا اگلا
تو شرم نہیں آتا ہیں بی قاحبہ تیرا اگلا

کیوں پڑا تھلکے نہ دل میرے کلیجے میں جلا
ہے تمہارا رد یہ ایسا جیسے سوتے میں ڈلا

دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں
وا پتیڑی معقول یہ کیا تھا بنا صاحب بلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا
لا لی ہمسائی نے دی تمہیں مرے آگ لگا

نہ برا مانے تو لوں تو بچ کوئی مٹھی بھر
بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ اگا

شوق سے سونگھیے انشا مرے یہ بالوں کی
دے جنبل تو رکے بوٹوں میں تو آگ لگا

کمبخت ہے وہ کام ڈگانا بہت برا
صدقہ کئی کہتی ہے یہ زمانا بہت برا

دلسوز ہے دوامری پر اُس کا ہر گھڑی
لگتا ہے انکھیوں کا نچانا بہت برا

تو تو آگئی نہیں جائیگی مرے بیلیوں ست
اری میں ایسی بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا
ڈھڈی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے
ارے ادستھر کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کھچڑی سی یہ باتیں جس سے
اسکی ابتک نہ گلی دال نہ جیا نول کسکا

ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا
چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلّی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزّالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود دیکھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے — جو حال ہو گیا ہے اس پاؤں کی تلی کا
مجھ سے نہ آئے زناخی تو رات کو کہیں تھی — چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہا بسلی کا
انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں — ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا سے کہی — منہ دکھاوے نہ خدا آپ کے ماداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے — جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا — ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھ کو ہے لپٹتی — ہے ہے تری گلہری کیا مانگتی ہے پیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں لگی — لگ جائے انکے منھ پر اتہ عیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری یہ بولی — کیوں تم نے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

کروں بستار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا — دماغ آکر انھیں ہیں تنفس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سننے لگا ہے ٹوہ میں میری — موا دربان کا لڑکا ملیندہ ہو تجھ جلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر بات جیت اس تک پہنچی ہے — دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

حسن مدود رنج جی صاحب — کیا ارادا آپ کی اشتی ہے

میاں کہیے کہ کیا آج کام میں نے کیا — جب آن نے دی مجھے گالی سلام میں کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا — جب وہاں سے آکر لگا صاحب سلام میرا

ہیں رود عشق سے وہ ساتھ گھمنڈ پر — نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر
تو ندلال ہی کے میرے گھمنڈ پر — اک میلا ڈورا مانند جیسے اس گھوڑے دھنڈ پر
ماہ سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے — پتے تلے کہیں رہے آفت اس رنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اس کھر چلا دیں — پھر در شاہ کی لاٹ کے اس چوکھے گھنڈ پر
وہ میلوں ہی سادہ دل جو ڈنڈ پیل — یہ لاکہ کوئی عشق تو ہو ایسے گھنڈ پر
انشا دل کے ملنے رکھو چھیڑ چھاڑ کے — چڑھ بیٹھو ایک ادھ گھیٹرے اکنڈ پر

یہ جو مست بیٹھے ہیں رام کے کنڈ پر — مکر مست گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
رام جی ایک جوگی کے چیلے یہ عشق ہیں آپ — عاشق ہوئے ہیں واہ کس لنڈ منڈ پر

جو جاسے تو مجھے ہنسوڑے کی چیر — تو یوں دیکھ اس گھونگٹ جوڑے کی چیر
کوادے لتے کے مرے رخش کو — میاں ساقی اس سلنے کوڑے کی چیر
ہنسایا جو میں نے تو لوٹے ہیں — نظر آئی کچھ اس گوڑے کی چیر
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک — ارے اپنے سونے کی توڑے کی چیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور بیہودگی کرتے تھے۔ رکھی ان کا کوئی

٦

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھئے ۔

لیا گر عقل نے منہ میں دل بیتاب کا گٹکا ۔۔۔ تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سیماب کا گٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت دنا تو سر کا جوڑا ۔۔۔ لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

ملے پارے سے جو ہرتال کر کے راکھ کا جوڑا ۔۔۔ تو تانبے سر جی اگلیں کوئی نوسے لاکھ کا جوڑا

نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تلسی اس جی صاحب ۔۔۔ لگایا ہے جو اک بھونرے سے جتنے آکھ کا جوڑا

لپٹ کر کرشن جی سے رادہا یہ ہنسکر لگیں کہنے ۔۔۔ ملا ہے چاند سے اسے لواند ہیرے ماگھ کا جوڑا

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس ماتہ کا ۔۔۔ نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادہا کے کنڈ پر ۔۔۔ اوتار بنکے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا ۔۔۔ ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا ۔۔۔ تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگان سے اشک خونفشاں کی میدنی ۔۔۔ جیسے بہرائچ چلے بالے میاں کی میدنی

رات وہ بولے مجھ سے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں ۔۔۔ میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہے تو قطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے ۔۔۔ یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

ڈر و وحشت کی دہوم دھام سے تم ۔۔۔ وہ تو ایک دیونی دبنگی ہے

جوگی صاحب آپ کی بھی واہ ۔۔۔ دہرم مورت عجیب کڈہنگی ہے

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز آئے گی ۔ لیکن یہ نئی اپج اچپنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھئے ۔ اور لفظ خرد خبا کو تجنا لکھئے

گر ہمکو ابھی نہ لکھئے ہووے لکھنا ۔ تو کرکے رخم اسکو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب ۔ قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب

از روئے لغت نئی اپج لے لی ہے ۔ اس تان کے بیچ کا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقع پہ اجنا آیا ۔ سلمائے علوم کا یہ سجنا آیا

اجنا چیزے ست کاں بدید ز زمیں ۔ یہ تخم لغت کا او اپجنا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آئے ۔ پہرہ لگوا دیا تھا مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا ۔ آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے سامنے جا کھڑے ہوئے ۔ نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آئے ۔ اب یہ دیکھ ذرا تیوری پر بل آئے ۔ انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا ۔

میں تو کہتی تھی نہ رکھ ای مرے پیارے روزہ ۔ بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع

حویلی علی تقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں نے فی البدیہہ کہا ۔

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی ۔ نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی

اُن کے ظریفانہ ادر کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے۔ عداوان ماڑواڑی وغیرہ کا سرا نامہ ہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے از راہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی طبعیت ہی تھی۔ ان کا وجود اس کی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا محال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھیے کی بھی گنجائش نکل آئے کوئی غلطی سرزد ہو معاذ اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں۔

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ادر گرمی کیوجہ سے صافہ۔ یا پگڑی علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ساتھ ننگے سر کھانا کھانے سے شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھواؤ جو کوئی غلطی کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے فاضل مولانا صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجناس لکھدیا۔ نواب صاحب نے کس دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دیئے نواب نے انشاکو اشارہ کردیا۔ انشانے یہ رباعیاں نظم کرکے پڑھیں۔ اور غریب مولوی کو دیوانہ کردیا۔

اجناس کی فرد پر یہ اجناس لکھا   بہاں ارلعات کا گر حساکیسا

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخۂ انیس الاحبا مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہے
کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے - اور جنون وغیرہ کا اس میں
کہیں ذکر نہیں - یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد
مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے - افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس
نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا - بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ
تکالیف میں گزرا - اور انھیں صعوبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و
معروف ہے - دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں - کئی سے میری یہ مراد
ہے کہ ایک فارسی - ایک بے نقط - ایک اردو کا دیوان ہے - مثنویاں قصیدے رباعیاں
بہت سی ہیں - ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے - البتہ
ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف - ہشاش بشاش واقع ہوئے
تھے - اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر - یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ
سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی - مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ
درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے - اب بھی دیوان کو دیکھئے
تو ضرورت اور بے ضرورت - جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ
گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے - اگر میرے خلاف ہے تو صرف
اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا - کہ بجز ظرافت ہیچ صنف را بطریقہ راستہ شعرانہ گفتہ -
حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی
اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے -

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے - جو شخص بات
بات میں ظرافت کے دریا بہائے - کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے - پھر بھی ریختی کو

آزاد نے اس واقعہ کو اس رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آئے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوئے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لیے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پٹکا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ پلکوں کا توبڑا ڈالے ایک ٹکڑے کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تمباکو نکالا اور اپنی چلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دیا۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں اور گڑگڑی شلک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اسکی بات مانی دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں سب صاحب آ جائیں تو شروع ہو وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اس کے جنون اور بیمارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں اور مرزا عظیم وغیرہ شعرائے دہلی سے معرکے دیکھ

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم و فضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہوگئے - انشا کو تمام تر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پُنچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوئے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگیں کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ ہنسوڑ شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ برہمی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعالی اللہ خاں جوان بیٹا مرگیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی -

انشا - سید انشاء اللہ خاں نام تھا۔ حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلّی کے رہنے والے تھے۔ مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی۔ ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے۔ انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی۔ اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی۔

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند دنوں میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی۔ شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا۔ انشا کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان اٹھا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلّی آنا پڑا۔ مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشاں تھا۔ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا۔ وہ اقتدار تھا۔ دلی کا بادشاہ جانثار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا۔ بے بسی اور بےکسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور قدر دانی کی روایات قدیمہ زندہ تھیں۔ یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو۔ اسی بنا پر انشا کو بھی داخلہ کا شوق چرایا۔ چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے۔ پھر بھی تنگ آمد بجنگ آمد کا معاملہ تھا سو زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار ناچار چند روز نباہی اور اپنی خوش بیانیوں اور جوش مذاقیوں۔ گل افشانیوں سے اس وادی حرماں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک۔ آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا۔ اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا۔ لکھنؤ اس وقت آج کا لکھنؤ نہ تھا۔ گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا دربار میں پہنچے شاہی مہمان نوازی کی صلاحیت

مطلب تو زینت سے نہ لیٹھے سے غرض — گاڑھا تھا وہ بہتر یہی لباس اچھا ہے

ہم دوراندیش لاکھ سمجھاتے گئے — آپ ایسے گھوں کی اپنی ہی گاتے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راستے — جب مانڈلے لالا لاجپت رائے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں — لیکن تمہسا بھی کوئی منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبو لی جنکے میکش دیکھا — بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پہ تھا پہنچا گزر — تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستان بے خزاں — قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھسے یہ کہنے لگا — آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلیے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو تھا مرا نام — پوچھئے اُن سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں
پھر بقول مومن اس کافر نے لالہ سے کہا — آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسپیچ بھی — ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کر ڈالوں تجھے — کیوں قضا آئی ہے تیری کیوں تلے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بگڈے پہ کے منیجر نے یوں کہا — کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو — کشاف چاہیے نہ اشارات چاہیے
اک جج حضور خان بہادر کا ہے یہ قول — صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیے
غالب کی پوچھئے تو مقولہ ہے انکا یہ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
مجھسے جو پوچھئے مے و معشوق کے سوا — امید سب سے ترک ملاقات چاہیے

کہکے ہمت کس کوئی سیکھو تو | لیغ مثے ماکہ اور دل کو بھی ہو
آجکل جاماں سے حرف کی کان | مسے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھیے جاکر وہاں کوئی ہنر | زندگی عمر چین سے کیجیے بسر
سکے یہ باتیں وہ کابل کا گدھا | یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا
سے حری انگورہ راد ہیگ ۲ | حرمیہ داند ساح راد سیگ ۱
ہیگ ماتد وانع وردستکم | ہیگ ماتد ماع ہضم اتم
ہیگ ماشد حملہ علت رادفا | ہیگ ماتد وش دمش جلتو
ہیگ جواہر کرا وبیا لود | قدر دالس لو علی سیا یود
ماتی ماردرع رواے حیت ہیگ | فالش راتارہ جاے حیت ہیگ
یگہ رار جاماں وار جاپا میاں | قید صدا یجاد وار ردا میاں
جاہل اندار دال ماشش وانگہو | ے مدا سا این عدا ے حوش رہ

غزل

آجکل ہے کچھ سیپر پاؤں میں | مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر | رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل | باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں | جوروؤں کو اپنے شوہر پاؤں میں
عشق میں اک آسمان رفتار کے | آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے | کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے | ہمت اچھا ہے ماشلی کا ماس اچھا ہے

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں | ہاں نہیں ہیں ۔۔ دن تیسے براں
دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا | اک مجسم دوڑا آتا ہے چلا
کچھ عجب اک ڈھب کا تھا وہ بشر | ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر
جب مرے نزدیک بالکل آگیا | میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا
دل تم آیا ہو کہاں سے کون ہے | بولے کیا لادانہ جس سے دیوان ہے
وہ لگا کہنے لکھن است خواجہ گوش | من ز کابل ہستم انگور فروش
سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا | اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا
عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ | ان کو لے چلیے مکاں پر اپنے ساتھ
لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر | ہوگئے خوش خوش ناد رنگت اثر
چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا | سامنا جیسے ہی کہ بیگم کا ہوا
گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر | دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر
بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈھونگ ہو | واں کی لذت جو ہے وہ ہینگ سے ہے
دل جو دال ماش کو چاہا مرا | جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا
اتفاقاً ایک آغا کابلی | مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی
ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں | اُن کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں
کہکے اتنا گھر میں با خوف و ہراس | الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس
چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے | ہینگ دینگے اُن سے لکھنی لینا مجھے
بیٹھکر کہنے لگا میں انسے یوں | بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں
ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا | ہلدی کیا اور ہلدی کا کیا شوربا
رہ کے دنیا میں ترقی کیجئے | حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے
چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک | کیوں ہوئے جاتے ہو آفت میں ہلاک

تم خان بہادر مالک

المست شرابی آیا　　تم بھاگو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپ ہرّا گایا　　یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید۔ تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا۔ جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا۔ مگر ایک عرصہ سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے۔ آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعرگو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں۔ آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ آپکو سلسلہ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار رہتے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا۔ اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں۔ اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں۔ آپکا سن شریف کم ازکم اسوقت پچپن سال کا ہوگا۔ مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں۔ وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے۔ مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپکی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں۔ اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے۔

تم جان بہادر مالک

تم ووڈ کے شنگلے جاؤ — تم ڈر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ — تم شیخی سے اتراد

تم جان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو — تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو — تم کوت اپنی دیکھو

تم جان بہادر مالک

تم سید بادشہ کیسے — ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے تھیلے کے پیسے — ہو مدہوش اہی پیسے

تم جان بہادر مالک

اس جان سے ورائی — ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی — کچھ بھی سترم اور لاج مرکئی ۔

تم جان بہادر مالک

تم شاہی ملیحت والے — تم کرور دوت والے
پیشکار اور لسٹ لالے — صہباے عوں کے تھالے

تم جان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا — تم ماروس کو ڈنڈا
تم گارڈ پٹھانی حصّا — تم یا تھو انگلش کنڈا

تم جان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو — تم گوری میڈم رکھو
تم بیرہ نوکر رکھو — تم ڈاکر تو دم رکھو

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب | گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے
ادبار حیکہ آگیا سب عیب آ گئے | آغاز جھوٹ نیز سرانجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الانسان ضاحک صاحب کی مچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر آکے اجل نے مٹا دیا | گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع | بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے
گھراتے تھے ولایتی جگر کی سیر سے | مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے
مجلس میں ان کی پورٹ نہ وہسکی کی تھیں | سینڈوچ کے موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے
شائستہ لیڈیوں کا نہ معلوق تھا ان کا نشاں | ہاں تھے تو لولیوں کے پیچھے تھے سراغ تھے
باتوں میں چوچلے تھے طبیعت میں شوخیاں | روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کسنے کہا کہ تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ | وہ تو الہ دین کے طلسمی چراغ تھے

المست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک | تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک | تم مولوی مسٹر مالک

تم خان بہادر مالک

تم ہشو ہشندر مالک | تم پورے بندر مالک
تم تیز مچھندر مالک | تم لال قلندر مالک

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہوگیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غرب — اس نئے دور فلک کی چاندماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

ضبطی پرچۂ توحید ہوئی نیر یہ ہے — قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہوگیا تھا اختلاف اندراج — ڈر گئے خفیہ پولس سے کل کراما کاتبیں

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دہن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دہاتی — بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاتی

شانِ نماز اکبر شاہد ہو چلی ہے — مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے بلیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پاجامہ سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو — مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا ردی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنا — پائنچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رولی بات ہو — لطف موسم سے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو

حرج کیا روپیہ جو کا غذ کا چلا — شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی — جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی — اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں — بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں ان کے منتظم — استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے — مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاہ میں

دوا سے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم — قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزل گور تک پہونچنا ہے — خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چپ ہیں آگئی کتاب ردی — یہ ہو اگر رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن — نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کمپ میں لٹ کے — انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے

کیوں اپنے سر یہ زحمت بیسود لیجئے — کونسل کے بدلے گھر پرا نچل کو دیجئے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب — بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کوثر سے بڑھکر دیتے ہیں ٹھرے کے دام — بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں — کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل — ہمنے برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پر ممبری کا فیر ہوا — کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں — غل مچا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا — اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سدھارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں پھیلی — پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

بہراوہ بنا کمپ میں یہ تنگئیں آیا — بی بی تو رہیں چپ تو میاں بن بھی سدھارا

تہذیب و دم ستو دہے طمع کی گھسیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

سنبھلے کے بھی کہاں ان شمریوں کے سلسلے — دلیں کو جسے بھلایا یہ دہی کھاتا ہے

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود ہے اکبر — شکم بولا کہ اسکی بحث کیا حاضر تو حاضر ہے

حضرت اکبر سے کہہ دو تا ملہ تیار رہے — اک رزولیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

عقل بے اچھی کوئی کل لالہ مخلص سے — جھک کے چلنا چاہیے ہم سب کو [illegible]

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک ایک کے دس دس کیجئے — موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

قوم ضعیف تنگ ہے چند دن کی مانگ سے — کالج کے چھوٹے لپٹے ہیں ٹیڑھی کی ٹانگ سے

بیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اسطرح دال میں ہے

آمنوا میں تو سب کے آ گئے ہیں — عملوا الصالحات مشکل ہے

انجن قضا کی بھی کیا خوب ریل ہے — اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے — فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

ہو دسمبر میں مبارک یہ تعطیل کو داپ کو — خون تم میں بھی ہے لیکن تمکو بھاگو جانیے

اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان — خدمتِ قومی میں مارے جان نثاری ہو گئی

شہر میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی — لیلی و مجنوں میں آبرو حداری ہو گئی

یہ مصرع قافیے ہی کے لیے ہے جو سائے اکبر — جو آخر الکھو کچھ تم ہمیں پیرس تو بانی ہے

نہ سہی لطف تم کھی ہی سہی — شیخ صاحب مست جی ہی سہی

زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

ان کو بسکٹ کے لیے سوجی کی تھیلی مل گئی — کمپ میں غل مچ گیا مجنوں کو لیلی مل گئی

تھے معزز شخص لیکن انکی لاف کیا کہوں — یعنی مدح گرٹ ماتی ہے سب ناگفتنی

شکم سے حضرت انساں نجات پا نہ سکے — اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پُن میں — سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہے تو مانوں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں — مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بالے بندے ہیں — ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

قاصد ملا جب اُن سے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو — شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر — مار ڈالا راویوں نے قوم کو

سرفرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے انکی — اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

جب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو تم پر — ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے کیوں — اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے — اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم غذا میں مے داخل — شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کھسکی پروفیسر پہونچے — جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندا دیا سیکھئے — ترقی کے ہجے کیا کیجئے

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

مؤکد عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دریا میں تو صاحب سے گن بوٹ ہیں ہارے — میدان الکشن میں گئے ووٹ ہیں ہارے

یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہلِ یورپ میں بھی ذکر ہے تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

نہیں مناسب کہ ہو یہ دھوکہ میرے حریف موید صاحب بجا ہی فرما رہے ہیں جو کچھ حکیم عبدالعزیز صاحب

در کار چندہ سیم و زر از جیب دور رفت مالِ حضور بود بہ پیشِ حضور رفت

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشہ کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہی تجھکو صبر کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبین وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ہٹّو کہ رہ راضی ہیں
شراب اڑتی ہے مجلس میں رواں ہی خون تقوے کا مزا ہی اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

یاد کرتا ہے گزشتہ با اثر لا حول کو شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان ان دنوں

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ ناخوش کہیں نہوں وہ ہوالمستعان پر

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

لاکھ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں حجاب اُسکو نہیں آتا انھیں غصہ نہیں آتا

غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا نقاب الٹ ہی دی اسنے کہکر کہ کر ہی لیگا وہ اور کیا

کام اس ملک میں ہو سلطنت گورنمنٹ سے کیا زہر کیا ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے　　نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم　　مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم
حسرت عشاق بازار جہاں کچھ نہ پوچھ　　از بہا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے میں بھی بناتے ہیں　　کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

تیری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت　　ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ　　گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں پائیں　　املی کی جگہ سگنل تمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے　　کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑے گنگناتے تھے لالہ تر بجن　　نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے　　کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر کڑکہ رشک آتا ہے　　اونٹ کے سولفات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر ہیں قابض　　کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں　　بزاخفش تھے قبل اسکے اب اسپنسر کے ڈاہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور　　کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں

تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر　　کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں
شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے　　لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

کہ کیا یہ بخشا سے بہ حال بندہ　　کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ
عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں　　دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے　　بھجن کی دھن میں تردید بت طناز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بتقیہ ضرور ہے　　اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے
بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی　　وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

انتخاب از کلیات دوم

ہم نے کہا جو اس سے مٹکرا کے چل دے ظالم — حیرت میں آ کے بولا کیا آپ بھی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہو اسول کا — جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام — اس شہر میں تو کوئی ملے جا نتا جنس

جو مس کو ئے ٹکلگوں کو پری کہتے ہیں — شیخ ورش نے کہا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو — دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں — پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ — کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے — تیغ ابرو کا تھا عاشق خاں بہادر کر دیا

شاید تحقیق کے مضمون سنسن لیں — انساں کی شکل جیسے میمون سا
پاجامہ بھی یوں ہی ارتقا سے بدلا — سمٹا ابھرا جھکے پتلون سا

حکم انگلش کا ملک ہند کا — اب خدا ہی ہے بھائی صلح کا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے — ہر چہ از ماست میرسد بیکوست
ہو گئی اب خیال کی اصلاح — ہر چہ از آپ میرسد بیکوست

نہ دیں پیری سیتم امید — ترقی را چہ آمادہ برآمد

مارا فلک نشاندہ پہلوے آں صنم — مدہوش لد تیم وہ ماتم دگر کرد
اکنوں کرادمارع کہ بر سر ریا بیر — کریاں چو گفت دل چو شنید و ملزم کرد

رفت دمال ڈارون آں شوخ — بوزنہ ماند و آدمی گم شد

سیٹ راہ بر سر میں جائے دستار ہٹ بریہ — مرد با مسٹر تو اد شد چرا قبلہ شود

ان کو کیا کام ہے مروت سے — اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں — ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے — شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتادی خضر نے — اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیئٹر میں ہینسنگے جاکے خوب — خانقاہوں میں تو برسوں رولئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے — میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوے — لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

پھبتی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے — دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے — القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش ہو — شیخ کی ریش روز بنتی ہے

مستو نپہ شراب فاقہ مستی لائی — پتلون کو کردیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں — اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہگئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر — مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو بڑا اسنے بگاڑے سارے کام — ہم تو اسےبی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم — اللہ کی مار اسپہ علی گڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ — آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس — کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی دیدیا

کمسن مسوں سے آپ کسی شب نہ چوکئے — جیسی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کوکئے

نکالا شیخ کو مجلس سے اس نے یہ کہکر — یہ لیے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

ہمتو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو — کس کو سوتیں تمھیں اللہ نگہبان ہے

کامیابی کا تمدیشی پر ہر اک در بستہ ہے
جو ہچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

زاہد ایسے بے خبر ہیں اور وسے جہاد سے
جس طرح بابو کو ہے بیگانگی تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار ایدل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان باد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی۔اے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں کہ مس ترا وش نہ لیا جائے
گال ایسے پر بیاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

ہر اک ریمارک آپکا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گور شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گور ر گیس ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو ملد یکے ادو پل
بائیسکل پہ گزریںگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
داڑھی کٹی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں جو شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

انڈوں کے تیس ربع کے مالک ہو دا ہیں
پھر کیا سب حواس سے انکے اکھڑا لیے ہیں

یعنی انڈوں پہ میر انیس کے مذاق کی
انڈوں کے بیچ حرف وہی صاف صاف ہیں

شیخ سے جیوتے اٹھے انجمن میں
اسمیں لٹک لٹک تھی اس میں جھلک جھلک تھی

سامان معرفی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹالدیتے ہیں یہ کہکر آپ کا لالوگ ہے

چہرے کے پیچھے قہر ہے داڑھی کا حمول جال
اس فرد کو بچائیے تعمیل دل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک مجکو بس صرف ایماں کیجئے
بانکا عشق بتاں ست بیاں کیجئے

ہم یہی بہتر علیگڈھ جاکے سید سے کہیں
ہم سے چندہ لیجئے ہمکو مسلماں کیجئے

ہمارے ملک میں ہوتا ہے کیا تعلیم نسواں کی
بجز اس کے کہ باوا اد بھی گھر آئیں اماں جی

اضافہ ہوئی مجھسے گندم پہ مے | یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت | غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی | نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھری سے اُن کی کٹوا کر فلک نے | خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے | کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کو پیشانی | ترشروئی کی چٹنی جوڑ ہے کھچڑی ہو جب داڑھی
سوال اب یہ عیشا ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی | چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچھریوں میں ہے پرستش گریجویٹوں کی | مٹرک یہ مانگ ہے قلیوں کی اوریٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علمِ دین و تقویٰ کی | خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک اے شیخ | مجھ گنہگار کو ہے صرف تنجن کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبر | رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اِس مِس کو ساکت ہو گئے | ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ | کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے | تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

کوشش یہی مجھ پہ ڈپارٹ ہو جنکس میں   تلاش کر رہا ہوں مجھے دو چار تھنکس میں

حال دماغ کے بیکر ہیں آپ   گر تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے   چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ   تھکے کہنے یہ پھینک کر ڈھیلا
ہے تمہاری ہی مدرسہ ای   مسطح ہو ہڈی پہ ٹڈ پہ لیسہ

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں   یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں   کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں   اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہمدمیں ہے یوں   لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ   گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر   انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو   اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو   اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
جیتو بھی رہوگے اور مروگے بھی ضرور   کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے مساۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیکنام
اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام
بات بالکل صاف ہی پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانوگے تو اکدن بھائیو کھاوگے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چھپکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند ہوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلمیں بھر دیں
جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبرؔ
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

مسکیں در بابِ دہ دیوتی گرتا بوداست | او خود خوش با لباس باز دا جا دادہ است
گفتمش دہ میں کل ایں مالہ در بلدیہ نیست | گفت مارا حوت میں دیکھیں ایں کار داست

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جمگھٹ | اجمیر میں کلیا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی رعونت سے پھرتے تھے پہلے چرخ پر | حشم مرد دراسے ہے اب پکسر پٹ کا وٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے پیچ | اور شیخ کے گھر میں بھگانے کی ہے پیچ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے | گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے پیچ

تمدن پہ ہے شیعہ و معارف کی نظر | پہلوں پہ حصہ و سرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ گھٹ کے بیٹھے اکبر | شاید پڑ جائے انکی رحمت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لاحیدہ | کہا یہ ہے اتنا تو تھوڑی لیڈری کر

انہیں شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی | نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہو کر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز | بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت تو معاف | جو امر ہے واقعی گزارش کردوں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے | لیکن یہ طریق ہے پالیسی کے خلاف

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا — مست تھا دل پھول کر دہسکی کا پیپا ہو گیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری — نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمو دا اپنی — عطا کرتا خدا مجھکو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نسید ہا یوا — عجب جانور ہے یہ کاکا توا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں — دل غریب ہو القمہ امتحانوں کا

پکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑے جولانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس بت پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لیجیے دے بوسہ مجھکو یہ نہ باتیں بانچ کر
میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو دے پلا
حلوا اتار رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

ملگیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا عروس حجاب کا رنگ
چلدیئے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلت بادہ پہ ہو گیا فتویٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کلکاج کی دھن

الا یا ایہا الطفلک بخوراحمد بادلہا
کہ قرآں سہل بود اول ولی افتاد مشکلہا
کمن ترکیں بپائے خود بپوٹ ڈاسن ویلیاں
کہ سرسید خبر اردو زراہ و رسم منزلہا

پردے کا کیا ہے جو اٹھانا پیدا
خود ہے کیا اظہار اور انکا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مدنی نے
دنیا کے لئے کیا ہے ہمکو بکا پیدا

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظر والے کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور و غل۔ یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی ایکے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لا سکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کر سکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا۔ اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں متصوفین کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بین فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا۔ اور نیا ایک آب رنگ قدیم
کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر
ہوگیا اور اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی عریاں
کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور
دلدادہ ہیں۔ آپ سراپا ہی ایک طبیعت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے یہی
وجہ ہے آپ کی ظرافت آجکل کے ظریفوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا
سرمایہ ان کی عریاں سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات۔ ان کے علی الرغم
آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔
زوال۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست وغیرہ کا مکمل اور مصفّیٰ آئینہ ہے۔ آپ کی ظرافت سے
دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد علم
حاصل کر سکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ جن باتوں کی تلخی
اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ
اور گوارا کر دیا ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین
طرز ادا اور سلیقۂ بیان۔ حسن بندش نشست الفاظ تلاش معانی۔ ہر جگہ حسب محل موقع
موجود ہیں جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بن گئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے
آسمان میں اڑ رہی ہے۔ اور ایسی لطیف ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھال کر دیکھنے
کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کے چند خود ساختہ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنہوں نے
سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے۔ مثلاً نام ممن۔
گھورن۔ کلو۔ بدھو۔ جمن وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں
میں پیش کئے ہیں۔ اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھ کر جی پھڑک جاتا ہے بعض بعض
ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے۔ حقیقت

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو ملجائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھاکر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کردیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنی درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پاکر ۱۸۷۰ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت کی درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرکے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدا عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کر کے شامل تذکرہ کرتا ہوں اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف ایکے تام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے - کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا - انتخاب ملاحظہ فرمایئے -

مشرق میں اصول دین بجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین سجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے ہیں تین بجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی علت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

جناب محتسب کانپوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کانپور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں ۔

قطرۂ آب ... کو دیکھ بولے درفروش
ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب .... کی آب سے
چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جیب اسے قحبہ کل تجھکو دے کے نشے نے چمن میں خرد کے شیا باں سے کھینچا
ادھر سے یار اور آدھر سے جنوں آکے دونوں نے مجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سینہ بی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں ۔

آجکل ہے دور سینہ بی کا رکھے حق آبرو
ہے مدد گرد دن ودل کی مال والوں کو فرق

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں
بھڑ دوں کو منتا میسر شالی اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی
اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھسے اے قحبہ یار اب ڈھل گئی
مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دُکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے
غربت کی ترے لکھ یہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا گر ہے یا بھوت چڑھا تجھپہ تو سچ کہہ
یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یار و تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے
کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا یہ
گانے کے حق میں لیکن شیطان سے گلا یہ

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے ۔

اقبال ۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ بیرسٹرایٹ ۔ لاہور کا تخلص ہے ۔ آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں ۔ آپ کی شاعرانہ قوت مشق ۔ فکر صائب ۔ تخئیل ۔ جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ہے ۔ اور در حقیقت اردو وفارسی نظموں میں آپ کو یدطولیٰ حاصل ہے ۔ چونکہ آپ نے

لکھا عنایت کردیا تھا وسیاہ ہوگیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب اور سعیق ۱۳۱۹ھ تک بقید حیات تھے۔کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔افتی صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افتی کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس لئے ہے فیض لسک رائے عالم لوار کا

دیوان میں سب اصناف سخن رباعیات۔مستزاد مخمس۔ واسوخت۔اور ایک مثنوی گیندہ آسان بھی سال ہے مثنوی جا کماں کہ سعد۔چوک میدان دائرہ میر چادر گھاٹ۔ حارمحل۔اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اور عاشقی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان الامالی ہے۔تاجو۔رحمت۔حشمتی بیگم۔جمیلہ تاج النساء۔لالن۔بی جان۔چھیدا زہرہ۔گلالو۔چاند جیسا کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں۔صغریٰ کا عذر یوں کا بیان شامل ہے اور ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانہ موجودہ کے مصالح اُن کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔مرلیں محش اور سراپا محش ہیں کہیں دلربایانہ چال کی جو برا اتراتے ہیں تو پرسچے اوڑا دیتے ہیں کنایہ اور استعارہ کی صف سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں دبکی چھپی بات کہیں وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فحشیات میں جا پہونچے ہیں جو بڑے بڑے ہزال علیٰحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افتی ہزالی کے میر محفل سے ہوئے نظر آتے ہیں غرضکہ آن حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلوپیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے۔مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے سرنامہ دیوان پر۔حسب لسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے واہیات سے بچا کر

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب کرنے پڑتے ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب کرنے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوادیشیوں سے تنگ کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است ازبسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی مینماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاجش از تخلص پیدا است - کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آتش نتافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت ـ" یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعراء میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے

سخت مشکل ہے کبھی شکل ادھار ہمانی کی | یہاں رہ آ کے گھس جاتی ہے دم میں جوانی کی
شہید یار کی جب کرچکے مٹی ٹھکانے ہم | پری سے ملتفت تھے سردیوں میں نوجوانی کی

افسر۔ آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے۔ آپ میرٹھ کے معتبروں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں۔ آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا۔ بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔ سہل سخن ہم۔ نکتہ سنج سخن رس طبیعت پائی ہے۔ انگریزی میں بی۔ اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی۔ کہ یکایک طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں۔ جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت وسیع ہے۔ آپ بسلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اردو کی اشاعت وترویج میں منہمک رہے۔ آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں۔ مگر آپ کو کبھی خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شائع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں۔ اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲ سال ہے

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دور بینوں سے | خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان مشینوں سے
یوں سیاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے | یعنی کی روح کے دفتر میں کلرکی ہم نے

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے | تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ | یا ہیں درویش کامل و دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ | ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جائے | مجھکو حلوا سمجھ کے لذّت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ | دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس | دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
مینے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو | اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو | کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب | حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل | نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں | دلپہ اُٹھی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں | اُن کے افعال پر ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں | مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد | بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کر کے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے ہہنے چمار کا | پھر بھی نہ ٹانکنے کو ملا بوٹ یار کا
وہ کھولکر در مسجد یہ صاف کہتے ہیں | امام آئے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعرا کا | سید بھی ہے رہینِ کرم احسان ملا کا
تھی سے میاں جی کی بچی جان رہی ہوں | تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑاکا
بیٹھا ہے مگر گدھ کی طرح مودی معم | ہیضے نے دو چار دانے اسے ماکا

اصغر۔ آپ کا نام سید علی اصغر ہے۔ شاہپور ضلع تیجپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے مشہور شاعر ہیں۔ اودھ پنچ سالوں میں آپ کی ایک نظم ظریفانہ رنگ میں جھنگ نظر سے گزری۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے۔ انتخاب نظم یہ ہے۔

یہ محرم تھا ہولی کا تہوار | ہنستی صورت سے اور دل بیمار
گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم | جب نہ آیا ستم شعار عیار
لگ گئی آنکھ موت آ ہی چکی | ہو گئی حس مشترک بیکار
روح قالب سے سیر کو نکلی | عالم خواب کی دکھائی بہار
نظر آیا بہت بڑا میدان | عرصۂ حشر جس کا نام گزار
کوہ آتش فشاں زمیں مائل | دھوپ سے تیز تر تھا آتش بار
ایک بڈھا ضعیف رسائیل | نظر آیا نہ صورت خونخوار
پیٹھ میں آ رہی تھی ہمہ وقت | جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار
ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر | سر بھی صاف تھا صورت ہموار
پائے ماندن نہ جائے رفتن تھی | تھی غم غصے میں جان زار
کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت | بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار
پڑھ گیا چند آیت قرآن | کر کے دم دم میں لایا جسم زار

اسپ ادادم د خربوزه گرفتم خوردم — حالیا نوبت انشاء دبکاب ورین است
بر سر تربت من او دیگ طعامے آرید — گوش بر نالۂ کفگیر نه بر تاغین است

چل صباح ار بیایے خورد اگر کس توت — نمیتوان به جهان بیرد عاجز و فرتوت
کفن دریم ببر در زندگی ز سر گیرم — ز بد اگر شوم بوز غمه تابوت
مبین بچشم کم ایدل انار را هرگز — که دانه ایست بود به ز حقۂ یاقوت

هر که خاک در تنا کند کحل ابصر — به سر رشتۂ پیترک به شب تار رود
هر کجا قصۂ خربوزه آید به میان — بهتر آنست سخن از خرد و تر و انار رود

نان و پیاز سیر بخوردیم مسکان — ما را که ارباد شلغمے سیر میکند

هر کس که خورد کوفتۂ گاو ایگدو شب — چون پیل پیکرش به تنش فربهی کند

استخوان قلم آنکس که ربود از نمیه — شاه بار سه است که او فرهات دارد
قیمت شیر برنج ار چه گرانست مرنج — شیر دو ستیزه صفت شیر بهاے دارد
فرقۂ را که بود شلغم و زردک انبار — ابلهی باشد اگر در طلب سیم و زر زند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع — از پیاز است مهیا دو سه آزار دگر
ز بوستان جهان سیبے ار نصیب شود — تمام عمر به پیمایم این نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دکھیا گیا

پیش من گر نهند حلوا را | میخورم هر چه هست یکجا را
سر و از پا نشیند از بیلہ | قامت قند سر و بالا را

یک شتر از خربزه کو تا که برہانم کنوں | از کف این ساربان ایدل مهار خویش را

کو شخص کریمے کہ دریں موسم سرما | هر صبح سیلیے بہ گزارد بہ برما
از بوے خوش قرمه فزون ست وتر ایم | از محتسب شهر چه اندیشه چه پروا
در حین وقت افطار رفت حکایت بصفاہاں | بر تاب پلو دست کشادم چو بہ یغما
نان تنکم هست بیار ید کبابے | کیں جا مرود در خور آں قامت رعنا
یک بیضهٔ مرغے نہ بود درہمہ عالم | شاید کہ بجوئیم ز سر منزل عنقا
شب تا بہ سحر باشدم از فرقت انگور | از دیدہ بدامن همه دم عقد ثریا

گزر بختہ اگر شام خورم نوبت صبح | یاد گوزرم بهم اندر شکند سندانرا
اگر از نقل بہ سازند مراز نجیرے | همهٔ عمر بجاں می طلبیم زندانرا

تنها ز بوے کله نہ از پا فتادہ ایم | کز سر بدر رشدہ است بیکبار ہوش ما

تمام سال خورم حسرت شب رمضاں | ازانکه از دل و جاں مائلم زلیبارا
بہ روزگار چه ما - هر کہ بے مربی بود | نبرد لذت شیرینی مربا را
دو صد هزار فندک میدہم شمردہ اگر | دو دانهٔ ز فندک آورند خرما را

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب ابھی اول درجہ کے ستّے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اوٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تاآنکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرنے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور زور و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرّم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر	از ملک فنا سوئے بقا کرد گزر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرّم	اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

فلسفی علما

ساعروں ہی پہ جا پڑے ہیں یہ پھر | کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے | گیا ہے قافلہ دور اور ٹٹولتے ہیں غبار
وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سٹریل | سو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈہی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

سلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود | پڑے ہے پھر وات اُن کے مزاروں پہ درود
کچھ ہاتھ میں لقد رائج الوقت بھی ہے | یا اتنی ہی پونجی پدرم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیان اسلام | جب بیچ مساجد سے نہیں چلتا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو | جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بے کار وقت کو گزار دو یارو | یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو
برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم | کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں جا کے سیکھیں انگریز | سب کرتے ہیں دندان ہوس اپر تیز
پڑھتے ہیں مگر علوم انگریزی سے | گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا احمد اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدون تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اسی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا عبداللہ

شبِ فراق کا دُکھڑا اگر کریں تحریر — تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار
وہی لنڈوری ہے قمری تو پر نچی بلبل — وہی ہے سرو کا ٹھنٹ اور طول قامت یار
غریب شیخ یہ ہردم دو لتیاں جھاڑیں — کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار
ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر — یہ کوستے ہیں اُسے یہ مرید ناہنجار
جمال یوسف و اعجاز عیسیٰ و موسیٰ — ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار
نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب — یہ اُن کی نور بھری شاعری خدا کی مار
ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا — اور اُن کی بندش مضموں ہے مکھیوں کا شکار
وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون — بغیر بہنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار
سدا دروغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن — ٹپک رہا ہے لبوں پر جو شیرہ گفتار
لکھیں جو قصہ تو دیو پری کا افسانہ — لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار
کریں چڑیل کو حوران خلد سے نسبت — بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار
جب اپنے ہوتے ہیں مضمون مبتذل وارد — تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار
کریں جو مدح کسی چرکٹے کی وہ بالفرض — تو پھر سکندر و دارا ہیں اُنکے باج گزار
بنائیں اُسکے تئیں بر و بحر کا سلطاں — جو فی المثل ہو کوئی کوردہ کا نمبردار
ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب میں — لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار
مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹکیتی مرغ — لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار
وہ خود فروش بنے آج استاد زماں — کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار
اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل — تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار
اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے — جہاں کدُاتے تھے یہ بھانڈ کاغذی مہار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الو نہیں کوئی سرکار

(شاعر)

سخنوراں زماں کی بھی ہے یہی حالت — کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انہیں مضموں — سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ — کہ ہٹ موٹ کے بنائیں ایک عاشق زار
تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ لیس خوردہ — کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار
کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو — نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار
جو اپنے فخریہ آئیں تو بس کریں تسخیر — حدود ہند سے لے تا بہ فارس و تاتار
ہے ایک غار میں مانی سڑا ہوا السر — پڑا ہے نیم کا پتہ ادا سپہ لیشہ سوار
وہ پتہ آپ کو سمجھا ہے نا خدائے جہاز — اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ ذخار
اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر — سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار
کیا ہے نام رذیل قافیہ کا ایسے سخن — وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں دُرِ شہوار
جو ان کے دیکھیئے دیوان تو نور کے لڈو — غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار
وہی ہے شاعر عزا ہوئے جو یکہ تاز — یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار
یہ آپ کی طبع بلند اور معنی رنگیں — جو طبع گند ہے تو معنی سڑا ہوا مردار
وہ جس سے طبع کو تحریک ہو نہ دل کو خوشی — غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونۂ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و عیار — ستم شعار دل آزار بے وفا مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ مصور ہاتھ کر — سماں زلف کے دو ناگ دموں کی ہے پھنکار
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول — پڑی ہے مدح کی حالت میں نرگس بیمار
مؤذن ان کی محراب ہے خم ابرو — تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو سکے لٹیا — مصور ہے ناف کہ جس سے نہ ہو گا کوئی پار

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آئے تھے مگر با وصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں۔ اور ایک کلیات نظم یادگار ہے۔

آپ نے ایک قصیدہ جریدۂ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے۔ جس میں نصایح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار ۔۔۔ یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار

کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ ۔۔۔ گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار

تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے ۔۔۔ اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار

ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا ۔۔۔ ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار

جو اس نے پانوں بچایا تو اس نے سر تاکا ۔۔۔ دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار

عجیب ٹھاٹھ نئے پیترے غضب پھرتی ۔۔۔ نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھکر چکر ۔۔۔ کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے گو ہار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے ۔۔۔ مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں ۔۔۔ نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت پیکار

کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی ۔۔۔ کہ ان فنوں پہ ہوتے تھے جان و دلسے نثار

جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر ۔۔۔ میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

ڈرکیا کرتا ہے سخت نقصاں   جلدی محنت پٹ جواب دیجے

کیا بتاؤں میں تمہیں حال مریض بار کا ظلم   خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل مکر

چیتیں کھانی پڑیں حجامت پر   سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں   سنکھیا کھا لے بولے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا   نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اس کی کرتے ہیں   حسیناں جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سب کیا ہے جوؤں لشکر جمع حقیری کیسے پڑا میرے   مرا محسن ولاد کرے کی نہ میں کچھ تقصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور انشاپرداز اور ادیب تھے سررشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آج تک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں - آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں - علاوہ سر ویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے - مرزا قلق مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم ورواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے - مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ حسین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی - حالی مرحوم اور مولانا سے مذکور کا ایک رنگ ہے بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے بیش پیش ہیں - آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

وہ بولے لڑکے مرجا غیر سے میں نے کہا اوں ہو کھ	بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی
جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے	سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی
سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توند اسنے خنجر سے	ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی
نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا اظہار	ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی
نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا	چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی
نبی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاو	چڑھو ممبر کے اڈے پہ بنا کر شکل ٹیاں کی
وکٹ تھاپی لئے پھرتے ہیں میدان فضیلت میں	ترقی خیز سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تیئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے	اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمینٹرس	مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھیڈس
وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں	نہ ٹن ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ پلینس
مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہو کھ	ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس
وہ اوڑھے دو پٹا ہیں باندھے ہوں صافا	جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

اُلو میں نے تجھے بنایا	مجھکو کھوسٹ خطاب دیدے

لکنت نے خوب کام بنایا دم وصال ۔ انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں لیکن ۔ شاعری مجھکو کر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا ۔ خوب اُلّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پسینے آئی ہے تربت میں مجھے سختی گور ۔ لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر ۔ ہے چڑیماروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مستِ خرام ناز ہیں ۔ یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے ستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں ۔ دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

انکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم ۔ کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیرینی لب ۔ ہم بھی شیرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم ۔ آپ ہی کہئے گذر کس طرح ہو قفلیٹں میں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ ۔ کون کون اپنا تبرک قید تنہائی نہ تھا
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال ۔ خیر گزری چاہنے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں ۔ ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

تیری دعا کی ہے بساط اگر یہی	حلوا اور دست گڑ کو بھی شکر مانگے

سوال وصل پہ یار و عدو کو	یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں	میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
چلے کالج سے ہو کے کونسل میں	یہاں ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی رازداں نہیں ملتا	یہ اونٹ وہ ہے جسے قدرداں نہیں ملتا
کچھ اس کو ایسی حقارت پہ غیرت آئی ہے	تڑوانے کے لئے اس کو اں نہیں ملتا
مرگ غیر پر اظہار غم کریں کسطرح	کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تیرے اس عشق رکھا ان ہونے کا ارمان سچ ہے	سینہ عیسیٰ غیر کو ہم درد شام کر دیا
کام آئی عاشقوں کے اکی دریوزہ گری	کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کر دیا

جس کو ہو تو دوزخ میں حلوے کھاتی	مجھکو کچھ اور نہیں چاہئے کمرے کے سوا
اور عقبیٰ میں مجھے بالش کا ملا کیا ملتا	حضرت لوط کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا
بس وہیں بیٹھ کے فرمائیں گے ملتیں صلوٰۃ	شیخ جائیں گے کہاں بزم مرغ و عنبر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے	شب لیلۃ القدر کی رات ہے
وہاں تعیب کے جاتا ہے غیر اسطرح	خود دیکھئے یہ سمجھے مسمات ہے

ماگیر بجد کام ہی آئی کہ آخر مش	محسوں کا خاندان زمیندار ہو گیا

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرالینے کی عادت ہے ڈکیتی پر کبھی آجائینگے وہ شاید جواں ہوکر
مرا دل اور اُنکی آرزو یوں ہیں بہم گویا رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہوکر

اک پردہ نشین جب سے کرایہ پہ ہے اسمیں رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کسدرجہ پشیمان ہوے ہیں وہ سرِ بزم پاجامے میں اتنا بھی نہ بودا ہو کمربند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں اک پیالی چاے کی حسرت بھی ابتک دلمیں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار نوبت آے گی ہاتھاپائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہاے تقریب وصل کیا ہو گی اُن کو عادت نہیں مٹھائی کی
مُنڈ گیا جاکر اُن کے کوچے میں کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی کٹتے کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دورِ سبو ہے اور وہ یوں بے لکان ہے گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھاکے غیر وفادار بن گیا ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر
اُسکو کارڈ بھیجدیجئے یار رستے دیکھئے

باوجود اس اتّقائے جامی کے بھی سچ ہی
بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوئے

ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار میں
دو مہینے ہوگئے کالم کو شعر جاتے ہوئے

ریل گاڑی میں لکھی ہے یہ احمق غزل
فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

گل عارض پہ ترے بلبل شیدا کی طرح
ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں ہوا

چمن جب در بدر ہونے والا ہی تو اے بلبل
یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تو نے بنائے ہیں

خدا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو
خدا کا شکر ہے کالج میں سے بست آئے ہیں

مرا لوٹا نہیں گم بھی باغ محبت کا
ابھی تک آپ لے جان من کرتے ادھر آئے ہیں

خدا دنیا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کردے
مجھے مجنوں بنادے یا انہیں کو تو گدا کردے

وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا
جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کردے

دل عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ
وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کردے

وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا پھسلانے والے ہیں
الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کردے

جب کوئی اونٹ دیکھتا ہوں قیس روتا ہے
چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہیں پاؤں
خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے

کہتے ہو کہاں جائینگے کیا ترے دل کو یہ کیا
وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں
پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو

شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمہاری خاطر
مرفد کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ ہٹنے کی سکت
آہ لائی ہے کہاں حسرت دیدار مجھے

میں وہ پنڈت ہوں کہ اس ڈر کے اکثر مہراج
دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہوکر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں

یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں اُن میں
مِسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ
بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بیشک ہے

سنبھل او آسمان پتلون کے تسمے ذرا کس لے
کہ میری آہ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہوگئی اصلاح حال
میں گدھا تھا شیخ کے پاس آکے خچر ہوگیا

یہ تیرے دہن کی ہے مہک یا بت بدخو
بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے
اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے

ہیڈ کر دیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے
گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے

جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصاب عشق
روغن زرنیخ و سم الفار رہنے دیجئے

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور سفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور مصحفی نے میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ تو ہے کوتے قمری لگا ~ نگوڑے ٹو لاکہ چل بے ادھر نظر ملکا

جام سے ساقی کے آگے لائے جو مجلس کے بیچ ~ غیر دل کو میں نے اور یار منہ کھولے رہے

اکثر دل پہلی اما کر قطرے کو ترسا کئے ~ تر ہو گئے دو چار اور دو جا منہ کو پی ہے

احمق - اسم گرامی مصطفےٰ خاں ہے - چھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً یہی زمانا وسی ذریعہ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی میں پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں حماقت اسکی شامل ہوتی ہے - سنہ یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہوگئی اسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ دیوان حماقت کے نام سے شائع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

سی حد ہدیاں بھرے کو میں آیک گلس میں ~ کو دلمل سے اس انڈے سے رکھے آتشیانے میں

جواب صاف بزازوں کو ہر اک مل سے ملتا ہے　　کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں　　جسطرح ماہ ستمبر سے تو ممبر نہ ملا

کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا　　جنتری ہی میں ساہیں ماہ دسمبر نہ ملا

عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات آسماں　　پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے　　اکبار پھر چلو ذرا کولا اچھال کے

تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے　　کی اب کی عید خالی سویاں ابال کے

ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا بڑھی　　اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے

بعد مہ صیام تو کیوں خستہ حال ہوں　　کھائے ہیں میں نے روزوں میں ٹکڑے سنبھال کے

دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ　　لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آہی گیا جذب محبت کا　　میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا

لڑکپن میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا　　کھلونا ڈھونڈھتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا

مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدن سے　　ہوا ہے شوق انکو بیسے عاشق کی مرمت کا

میاں مجنوں نے لے احسان سنتے ہیں کہ رحلت کی　　صفا چٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا　　ہو قلم کبھی جیسے گھنٹا گھر میں آباد کا

. . . .　　. . . . .

جرمنی گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام　　آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

محتسب قہر ہے تو شوق سے ہگلے انگور اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم
خفا مت ہو مجھکو ٹھکانے بہت ہیں مرا سر رہے آستانے بہت ہیں
شکم پر ور قیامت کو یہ کہتا میں تو میں جاتوں کہ دوزخ لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں
دو کبھی بوسے مجھے اک ماہ میں لے ماہ تہ دو وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان ۔ احسان علی نام ہے ۔ صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے ۔ تجارت وحرفت سے کسب معاش کرتے ہیں ۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے ۔ دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں ۔ چونکہ استعداد علمی معمولی ہے ۔ اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔ غزل کبھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں ۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا ۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔ راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں ۔ نمونۂ ظرافت یہ ہے ۔

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے
آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار اب مسیحائی میں رہا کیا ہے
چورچج دکھلا کے مجھسے کہتے ہیں یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے
دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے توچی کیا اور تانگا کیا ہے
سن لیا ہے جو نام احساں کا کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے
جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی ہنسی پر اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر
یہ کالے کالے مسّے کب ہیں رخ حسیں پر حبشی بچوں نے ڈاکا ڈالا ہے ملک چیں پر
آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر
تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم یوں حاشیہ چڑھایا ہے سانے جنال حسیں پر
مونچھوں سے کوئی سیکھے پست وبلند ہونا اونچی کبھی ہیں کہیں پر نیچی کبھی ہیں کہیں پر

شعر یہ ہیں ۔

عرس تھا دہ پیدا ہوئی میرے عشق میں — کیا گیا میرا اگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہ ہو — سن کے یہ بات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احسان — خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہ ہو — قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعے سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا ۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں ۔ تمکنت ، وضع ، وضعداری ، نام کو نہ تھی ۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے ۔ شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولے حاصل تھا اور تا حین حیات تعلی طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۔ سنہ ۱۲۶۱ھ میں بچاسی برس کی عمر پاکر انتقال کیا ۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ حسرت عالم سے احسان اٹھ گیا ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں ۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی نے گلگوں کی حرمت ہے بتا تو نہیں — لیکن تمہی دل یہ شنوت کا بچا جاتا
لے مسی بیٹھی ہیں اس مد کے دلکش ہیں — مانگ اپنی دکھا جاتی چشکی کو بچا جاتا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم جو آسیتی — جب رات کے آدھی ہم پاس تو آ جاتا
دلا دو زلف سے دل ورنہ سسکتا ہوں — کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تیسرے مہینے میں — ہے یاد ہند آپ کی سرکار سے طرح
درجہ ترو جہ سنج اب تو شیخ کا ہم اس — اگرچہ پیر سے ہے مرید با اخلاص
ڈھونڈھتے پھر شکم ہیں اتلاف لت کو ہم — یاں تو دو درج کی بڑی سینگے دام سکو ہم
قیمت بوسہ جو کبھی لو لے لے قیمت ہیں — آج لے قیمت ہی لیںگے جس کے قیمت کو ہم

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں۔ فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا۔

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد | خواب سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے۔ اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے۔ شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور اُن سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوے یہ شعر کہا تھا۔

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا | جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے۔ اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں۔ تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا۔ اور کچھ درماہہ معین تھا۔ ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا۔

صید ماہی و صید دل شاہا | خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا | یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے | وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو نکل آئے | صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آجا نہ سکتے تھے۔ سلام مجرا سب بند تھا۔ آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کرکے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہوگئی قطعہ کے بعض

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کر کے مسودوں کا پلندہ ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفائے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا گزر کیا   جو جائے سو کہہ لے ہیں ایسے کے گھر میں

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے   بات بیتے کی جو سنی کھو گئے

آجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں اتنا ضرور ہے تخلص لکھ دیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمن نام تھا۔ دلی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا جہاندار بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا ایلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور رؤسا اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعر اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی کوسے تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "ماما سے میاں وقت سحرگاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو سچک رو وداد قد ہے - نہایت مسخرا ہے - پوچ بے معنی شعر کہتا ہے - خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اسی کا ہے -

در عشق تست مونچی پست مچا پر ئ   یہ پھرکی وہ دنا یہ ئ وہ غچا پر ئ

اٹل - تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے - میر جعفر زٹلی کے معاصر تھے - کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا - نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے - ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی - ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی - جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا - چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے - لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی -

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں کم حلط مبحث سے کام لیا ہے مسٹر الیٹ میلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے ان کو دھوکے میں ڈالا - حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں - تذکرہ نمحارہ میں ان کو دہلوی لکھا ہے - مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے - کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے - اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے - میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے - مثلاً سپاہ ٹلی دجوٹائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر دو ار دماؤ میاں سکھی باشند - ار سید اٹل بعد از دہبیگ و جوہارست و بسیار ومنوار شیلرا دھل وجھی باند -

نہ تھا جو جان صاحب یار نگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند ۔۔۔ ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے ۔۔۔ کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے ۔۔۔ وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ ۔۔۔ وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے ۔۔۔ بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں ۔۔۔ کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند
آشوب آن کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے ۔۔۔ اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا ۔۔۔ کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر ۔۔۔ کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے موئے کے ۔۔۔ کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیرے لگے ہیں ۔۔۔ بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

اُٹکرلیس ۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

میرا ہی صدقہ آدمی تو اے مسیح صدیق — ساری مصیبتوں کا جواب ایک جام ہے
وہاں جان ہوتی ہے یہ مغربی تعلیم — کہ اس زمانہ میں کالج کا پھل ہے
اس سے پھر اچھے ہیں اعلیٰ کا قرآن کفر — زاہد و لے تو ہمیں یقیناً سنہ کر دیا
کیا پوچھتا ہو حال دل اے طبیب تو — چاہے جو مریض تو ہے آ قریب تو
اے شیخ تجھکو حالت مستی سا دن میں — دم بھر کوئی اپنے ہاتھوں سے رکھے حریف تو

آشفتہ — عمر شاہ خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے
قائم چاندپوری سے اردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو
اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے ایک بیاض در ریاض عمرانہ
ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ
تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۳۶ھ تک بقید حیات تھے۔ آخر وقت میں مراد آباد
آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید جان کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے بات بات میں
مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔
کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے
بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

حرارت تھی بھری ہر جائی کی یا ایک لوٹی میں — ہوئی سوکن گرفتار آج اپنی ناک چوٹی میں
کوئی کیونکر ایسے مشٹنڈے سے اپنے جی کو اکھاڑے — مری انگیا کی ہوتی تھی دو جا کھسوٹی میں

آشوب — یعقوب علی خاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے
لکھے، زندہ دل، یار باش، خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

سنا تھا لفظ کو اسلام کے ہمنے بزرگوں سے
مگر بد قسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جورو
مگر میرے نزدیک دونوں بچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں
یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا
بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور بندہ ہے
سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اسپیچ
جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندہ ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا
قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہو جوش ادھر شانتی بھی ہو
اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم تر ہیں
اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح
آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی ‏— دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے [illegible]

میرے شاگرد امیں نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چولہے سے اب آپ کیا لیجئے ‏— ہوٹل میں رہیئے اور ڈش چاپ کھائیے

جن کو درباری حسب غم کا فکر ہے کچھ ‏— منگلوں کے جاکے ذرا حال دیکھ لیں

کچھ کدر ہو اگر طبع ظرافت کا میں ‏— دیکھ لے جاکر مسوں کا رنگ حضرت گھر میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نقصان پھیلا ہے اسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلاف مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا ‏— اتحادِ قوم جوں جوں کامیاب ہو گیا

قومی تحریکوں کی بھی ریل پیل ہے ‏— کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے

لیڈر نہیں ہیں کیسے اخلاص یاران قوم ‏— اخلاص کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول ‏— کیک و شوربے کی طلب ہے روٹیاں [illegible]

یہ یاد رہے ہر رسم کی تجدید کرو ‏— کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعران نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے ہاں ‏— جتنے ملے الفاظ ہیں سب ہی معنی پست ہیں

ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں ‏— وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں ‏— شیخ بیچارہ تو اسی صف میں مدام ہے

میں بین غزل کہنی شروع کیں۔ اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا درد کے
ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسدانِ بد بیں
کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تاانیکہ
اب برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذلک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے
متاثر ہوکر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایت بیجا میں کیا کروں ۔۔۔ میرے ہنر کو ہیں ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں
محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں ۔۔۔ ہاں مگر وڑتے تھے سر جس سے وہ ہمت نہیں
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا ۔۔۔ جج نے تو یہ کہدیا جاے ہیں فرصت نہیں
ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی ۔۔۔ پا پیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں ۔۔۔ پُڈنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا
مرے سوز دروں کو مجھسے سنکر ڈاکٹر بولا ۔۔۔ کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا
ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی ۔۔۔ چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے ۔۔۔ ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دو ونامیمون میں ۔۔۔ پائجامہ جذب ہو کر رہگیا پتلون مین

چاہتا تھا۔ گو یا ہر اس میں جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں رشتگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اِدھر اہل مدعیان ہیچمدان کے یہاں نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بھٹک گئے اور ایسے بھٹکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجاکر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ ہمارا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثر و تاثیر کی جان ہیں۔ غرضکہ ان لوگوں نے انھیں معاملات یا زائد از زائد مشکل مشکل سرگرمیوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہوگئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ تھا جسکو دعویٰ تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زبان داں ہیں حالانکہ یہ دعویٰ بھی صرف زبان درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ ادائے بیجا نامہ سانداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی اوصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جسکہ میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر ان مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ رائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا تتبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

دلکشمی پریس میں ملازم رہا - چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا - اور اس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی - کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا - کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا - کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا - اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا - مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا - تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے - اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں - باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے - جو ابتک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے - میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں - جذبات میں تصنیع اور آورد - صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا - مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے - ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا - اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے - جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنغض ہو جاتا ہے - سننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانہ حیات میں لگایا جاسکتا ہے نہ موت میں - دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا - اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

لکھا گیا تھا۔ پھول وتی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سدرشانتا سنی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعرا اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا لا لفول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی لعلول کے رنگ میں پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار ہقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اردو۔ غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سانس کے متعلق ہے جس کو عاشہ یا سنسکرت میں سر ودے کہتے ہیں۔ یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرۂ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اردو فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرۃ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرۂ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری ۱۹۰۶ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانے میں ۱۹۱۰ء تک مستقل طور پر دہلی رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہانپور چلا آیا۔ جہاں ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد —

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارسے حفظ کئے۔ بعدہٗ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی۔ ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۹۱۰ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق ۱۹۱۰ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جنکو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے۔

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ لطیف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں۔ مگر بیکار ہے۔ شمشیر رشانتا ناول چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

ما کلاہ ستاں بدریم ما — نے بردگاں شیر نریم ما
دار طبل آتش پرستاں ہم — نے بردان کہ در کیش یزداں منم
کعب اندرم سیرۂ او مسلم — ہم ظلمہ زشیخے میسرم
ملے ہمچو من نیست اندر جہاں — ہر ترپا کم ہرہر زیاں
شاید اگر روسے من ہمچو تیر — مدل یا کس را دیدہ دوزم تیر
کر در قلب مومن گکعبہ پراس — بود در دل کافراں جائے یاس
دل کافراں ہمچو دوزخ بود — بدوزخ سے یاس مطلع بود
بہ قرآں کہ جو اندیم لاتقنطو — تعوبہ زرنج یاس ایک تو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا کمہار اور بہالوں کا رہنے والا تھا - محمی قمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوئے -

آزادگی سے ہے خفا - دولتی کا یہ عالم — کاندھے پہ لئے پھرتا ہے چھپر کی ولی ہے
ہمارے ساتھ کے کولوں میں کرنے کی ہماکی — اگر دوستوں کی خواہش ہو تو دو وہ دیکھے کی والی

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفان خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہو سکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا ان اشعار کو ضائع کرنے کو کبھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ تو وہیں تفصیل کر دوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھوں گا -
میرا مولد و مسکن قصبہ آلدان ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

کا پتہ چلا نہ سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں -

ایک بڑھیا سے ہنسنے کی یاری — ساری دنیا میں ہو گئی خواری

رات کو اُس کے پاس جب لیٹا — بولی چپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس - یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے - مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سنا گیا یہ
تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا۔ سنہ ۱۲-۱۱ ۱۹ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام
سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے
نامور شعرا شریک تھے صفی - محشر - عزیز - ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے
انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا
واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے - چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق
تھا - اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - مگر چونکہ اِن کو حسب خواہش داد نہ ملتی
تھی اس لئے اِن کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں - اگرچہ مرزا صاحب
کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکائے معیار
حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ
ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا - مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری - اہل قلم تھے
خاموش نہ رہا گیا - اعتراضات کرنا شروع کئے - اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیئے
اُدھر سے اِن کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے
نام سے یہ فخریہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا — ستایش کنند تا تواند مرا

جہاں پہلواں آس پر دل منم — بہ گردان معنی مقابل منم

سپر پیش من حملہ انداختند — رنید ندو مردند دل باختند

خنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی اقتضائے طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسی وجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کر دیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد خواں سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھ دوں تو مجھکو بھی اجازت۔ دی احاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا میں استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب جسٹس لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہر حال مسعود رضا صاحب نے اسی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور بندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہیں ہے۔

بیوی نے کس طرح بی بی سے شوہر کو آپا کر لیا　　اپنے ہونا ہی نہ تھا مانگ سے پیدا کر دیا

بکتے پھرتے ہیں یہاں مولوی طالب ووٹ　　ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار ہیں

دل غریب کو کب چین ہے دو ہائی کی تک　　کہ میں نظام ہیں دل مرا رہیں

میں نے اس رکیے کو شکل اس ستم ایجاد کی　　یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھے جس کے لیے میں کھو کر رہا　　کہہ دیا[1] غالب نے کوئی کہے نہیں لمبا دکی

آگ دکھلا کر پھر کے بھی تھے کیا اچھا ہوا　　آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی شاعر ہیں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح نام

۱؎ غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ع ہر بلد کوئی کہ تم سا کہیں ہے　　تاہم با مد سے نہیں ہے ۱۲

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے
کہ کالے سانپوں پہ منا سا کھنکھورا ہے

خلاف وضع ہے مرنا نہیں فرنگی پر
میں آبنوس ہوں قیا ہوں جان نگی پر

زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے
کالی گھٹا کے کالے بھلینڈرے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں
سب مجھے کہتے ہیں تیرا کالا منہ

ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو
کالے پانی اتار دو مجھکو

اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ
مگر وہ ہے ملدنا سا لڈو لاشہ

خال و خط اس کے روئے روشن پر
لال کملی میں کالے تل سمجھو

ترشروئی میں اُس کے موٹے ہونٹ
کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائیگا بہت کافر
پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

اِن چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بار مسی کا ڈالا ہے
میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

خال ہیں اُس کے روئے انور پر
کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر
ساتھ ہے میرے میرا کلوا بیر

سجدے کا نشان شیخ جی کا
ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا

زلف مشکیں تمہارے چہرے پر
باغ کی ایک کالی کوئل ہے

اخگر سید نظیر حسین نام ہے - اخگر تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر اِن کے استاد ایک قابل شخص ہیں

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ ان کے معاصر مرزا مظہر جانجاناں نے
چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ میں اک گانٹھ ہے ۔۔۔ آبرو سب شاعروں کا ۔۔ ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو میں یہ شعر کہا

کیا کروں حق کے کئے کو کور میری چشم ہے ۔۔۔ آبرو جگ میں رہے تو جانجاناں ۔۔ ہے

یہ لطیفہ ہر چند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا
شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔
انھیں کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یار و خدا مشکل رکھاں جو جوان کے بیچ ۔۔۔ مت و مستی و لسکی منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہیں چلا۔

آموس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے
میں نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کی وجہ سے غریب آموس کا سرمایہ عمر
بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ میں اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً
دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس میں سیاہ کالا اندھیرا۔ یا انکا
مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اس حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ
جی بھر کر اسکو دیکھتا اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ ایک نگاہ دیکھا اسی میں جو
شعر یاد رہ گئے وہ لکھتا ہوں۔ قطع نظر اسکے دیوان میں ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے
کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہیں ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قرباں ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہیں ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر
جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہیں ہے کہ تمام دیوان میں ایک جگہ بھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا - مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے - آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے - مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے - تذکرون مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے' اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا - ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے - آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے میر مکھن متخلص پاکباز سے دلی محبت تھی - آزاد کے علاوہ بعض تذکرون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی - یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی - اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا - بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو - مگر امتداد زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا - البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی - تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علیحدہ نہین رکھا جا سکتا -

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

سنہ ۱۹۲۹ء

حرف میم

حرف ن

حرف و

حرف ش

حرف ص

حرف ض

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

حرف جیم

حرف چ

حرف ح

حرف خا

حرف دال

حرف ڈال

فہرست

حرف الف

یعنی

اردو فارسی کے ظرایف شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مولفہ

مولوی عبد الباری آسی

قیمت مع محصول چار روپیہ للعہ